

روزہ کیا ہے؟

تم لوگ ایک مبارک مہینے سے گزر رہے ہو، جو بھلائی، مغفرت، جہنم سے آزادی اور برکتوں کا مہینا ہے، جس میں ایمان کے ساتھ حصولِ ثواب کی نیت سے روزہ رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

یاد رکھو! روزہ محض کھانے پینے کو چھوڑنے اور شہوت سے باز رہنے ہی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جھوٹ غیبت اور چغل خوری چھوڑنا، ہر طرح کی خلافت شریعت بات اور عمل سے دور رہنا ہے۔

شانِ عبدیت

انابت کی کیفیت انسان پر یا تو احساسِ عبدیت کے طور پر طاری ہوتی ہے، یا اس پر یہ کیفیت اس وقت طاری ہوتی ہے جب وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے:

”جب انسان پر مصیبت آپڑتی ہے تو وہ اپنے رب کو بہ خشوع مائل ہو کر پکارنے لگتا ہے۔“ (الزمر: ۸)

”اور جب لوگوں پر مصیبت آپڑتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اسے پکارتے ہیں۔“ (الروم: ۳۳)

مصیبت کی درآمد کردہ کیفیت غرضِ مندی اور حاجتِ مندی کی کیفیت ہوتی ہے۔ یہ کیفیت اسٹالن اور نیکسن پر بھی طاری ہوتی ہے اور انھیں اس وقت اللہ یاد آتا ہے، چاہے وہ زندگی بھر الحاد کے نظریے کے مناد رہے ہوں۔ اگر یہ کیفیت غرضِ مندی کو راہِ راست پر کنجھنے لائے تو اللہ اسے رو نہیں کرتا۔ قومِ یونس علیہ السلام اسی طرح راہِ یاب ہو گئی تھی۔ لیکن عام طور پر ناشکر انسان مصیبت کے تلخے ہی اس کیفیت کا بھی گلا گھونٹ دیتا ہے۔

انابت کی دوسری کیفیت جو احساسِ عبدیت اور شعورِ ذات سے پیدا ہوتی ہے، یہی مرغوب کیفیت ہے، انابت کی ایسی صفت انبیاء اور مومنوں کی صفت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسمعیل علیہ السلام بہت زیادہ آہ و بکا کرنے والے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔“ (ہود: ۷۵)

انبیاء کی ذاتِ معصوم ہے، ان سے لغزش نہیں ہوتی، لیکن خشیتِ رب کا ان پر ایسا غلبہ رہتا ہے کہ ہر دم وہ ذاتِ رب سے لولگائے رہتے ہیں اور ہر تصرفِ عمل میں اس کی خوشنودی اور ہدایت کے طلب گار رہتے ہیں۔

حضرت داود علیہ السلام کو اللہ نے ایک آزمائش میں ڈالا وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئے اور اپنے سارے وجود کو بجز واکسار اور خشیت کی کیفیت سے تڑپا ڈالا۔ استغفار سے ان کی زبان زمزمہ سنج ہو گئی۔ انابت کی یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کو ایسی بھائی کہ انھیں آزمائش کی تاثیر سے بچالیا اور انھیں اس شانِ عبدیت کے عوض معاف کر دیا:

”داود نے سمجھا کہ ہم نے اسے آزمایا ہے، پھر کیا تھا لگے اپنے رب سے معافی مانگنے اور رکوع میں ہو لیے اور انابت کی۔ ہم نے اسے معاف کر دیا۔“ (ص: ۲۴، ۲۵)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈالا، انھوں نے تضرع و خشیت کے ساتھ اپنے دل کو اللہ کی طرف پھیر دیا اور مغفرت کے طلب گار بنے، اس شانِ عبدیت کے بدلے میں انھیں اس کا رگاہِ حیات کی بے مثال فرما زوائی ملی اور کائنات کی قوتِ بشری سے برتر مخلوقات کو ان کی خدمت میں لگا دیا گیا:

”ہم نے سلیمان کو آزمایا اور اس کی کرسی پر جسم کا ایک ڈھانچہ ڈال دیا، پھر انھوں نے لولگائی، کہا اے رب ہمیں بخش دے اور ہمیں ایسی سلطنت عطا کر کہ پھر وہ میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہ ہو، تو بہت بڑا عطا کنندہ ہے۔ ہم نے ہوا کو اس کے زیرِ اختیار کر دیا۔ وہ جہاں پہنچنا چاہتے ان کے حکم سے نرم خرام ہو جاتی اور شیطانوں کو بھی ہر طرح کے معمار اور موتیوں کے نکالنے والے غواص اور دوسرے شیاطین کو بھی جو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے، یہ ہماری دین ہے، احسان کر دیا روک لو، کوئی حساب نہیں۔“ (ص: ۳۴-۳۹)

یہی شانِ عبدیت ذوقِ انابت دوسرے انبیاء اور مومنوں کی رہی۔ انابت کی یہی اہمیت تھی کہ اسلافِ ہر آن اللہ سے لولگاتے تھے وہ اخلاص کے ساتھ حتی الوسع کوشش کرنے کے بعد اس احساس کے ساتھ کہ مبادا کہیں ہم سے غلطی تو نہیں ہو گئی اپنے رب کے حضور گر گڑا تے اور روتے تھے۔ انشک سحر گاہی سے وضو کرتے تھے، آہوں اور کراہوں سے اپنے دل کی لگی بجھاتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ ان کے کاموں میں برکت ہوتی تھی۔ نورِ ہدایت انھیں گمراہی کی تاریکیوں سے بچاتا تھا۔ (شیخ عبدالمعید)

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

09 رمضان المبارک 1434ھ جمعہ المبارک 19 تا 25 جولائی 2013ء

شمارہ 29 جلد 65

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلعوی
- حافظ حماد شاکر
- حماد الحق نعیم

مدیر مسئول

- حافظ احمد شاکر

مینجر

- محمد سلیم چنیوٹی

کمپوزنگ

- رضا اللہ ساجد

0333-4786507

0344-4656461

☆ جواہر پارے _____ روزہ کیا ہے؟

☆ کلمہ طیبہ _____ شانِ عبدیت

☆ اداریہ _____ روزہ اور تقویٰ کی حقیقت: نقطہ نظر کی تبدیلی

☆ درس قرآن _____ تفسیر سورة الصَّفَّاتِ..... (۱۳)

☆ درس حدیث _____ اربعین اعتقادی..... (۳)

☆ عبادات _____ ماہِ صیام مختصر مستند فضائل و مسائل..... (۲) آخری

☆ تحقیق و تنقید _____ مسئلہ وسیلہ اور طاہر القادری کا مقالہ..... (۳) آخری

☆ تعلیم و تربیت _____ شریعت پر عمل کرنے میں اختلافِ طبائع..... (۱)

☆ _____ صدقہ و خیرات کے مختلف پہلو..... (۲) آخری

☆ _____ کیا رمضان میں تمام شیاطین قید ہوتے ہیں؟

☆ ملکی مسائل _____ (عطاء محمد جموع)

☆ شعر و ادب _____ (ماہر القادری)

☆ _____ آج بھی!

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
 کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج پرائیج لاہور
 فون نمبر : 042-3735 4406
 فیکس نمبر : 042-37229802
 رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی پرچہ : 12/- روپے
 سالانہ : 500/- روپے
 بیرونی ممالک سے : 200/- ریال }
 60/- ڈالر امریکی



E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

روزہ اور تقویٰ کی حقیقت

نقطہ نظر کی تبدیلی

ہفت روزہ الاعتصام کے اجراء کے وقت اس کی زمام دارت مولانا محمد اسماعیل سلمیٰ رحمہ اللہ نے اپنے ہونہار شاگرد متکلم اسلام مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ کے سپرد کر دی تھی۔ اس وقت میدان صحافت میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کا اندازِ بیاں ہی سکھ رائج الوقت تھا۔ مولانا ندوی رحمہ اللہ بھی چونکہ درس گاہ ابوالکلام کے خوشہ چیں تھے اور پھر قرآنی علوم پر مطالعہ کی وسعت اور قدیم و جدید علوم کے بحرِ عمیق سے وہ کس طرح لعل و جواہر تلاش کر کے قارئین الاعتصام کی ضیافت طبع فرماتے تھے، ذیل کا ادارہ یہ ملاحظہ فرما کر آپ بھی محظوظ ہوں۔ (ادارہ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ [البقرة: ۱۸۳]

”اے مسلمانو! تم پر روزہ اسی طرح فرض ٹھہرایا گیا ہے جس طرح تم سے پہلوں پر فرض قرار دیا گیا تھا تا کہ تم میں تقویٰ کی کیفیتیں ابھریں۔“

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس لیے اس میں ان تمام تقاضوں کا جواب ہے جو انسانی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو سے تعلق رکھتے ہیں۔ چاہے وہ تقاضے جسم سے متعلق ہوں اور چاہے روح و نفس کی باریکیوں سے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ باوجود اس کے کہ اسلام رہبانیت کو بدعت سمجھتا ہے اور حیاتِ انسانی کا ایسا چوکھٹا پیش کرتا ہے جو یکسر مدنی ہے۔ تاہم وہ قلب و روح کے اس مطالبے سے بھی نا آشنا نہیں کہ دنیا کی اس ہمہ ہی اور گونا گونی کے ساتھ ساتھ کچھ لمحے ایسے ضرور ہونے چاہئیں جس میں کہ ایک انسان سطحِ بشری سے کچھ اونچا اٹھ سکے خواہشات اور آرزوؤں کو بجائے جبلت و فطرت کی ناگزیر محکمی کے عقل و نصب العین کے تحت رکھ سکے اور آقا و بندہ میں قربت و منزلت کے جو درجے ہیں ان کو پاسکے۔ یہ مطالبہ ایسا زوردار اور حقیقی ہے کہ کبھی کبھی اس کی تکمیل کے لیے انسان دنیا کی محسوس لذتوں تک سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ بال بچوں کو چھوڑ دیتا ہے اور شہروں سے نکل کر جنگلوں اور بنوں میں رہنا شروع کر دیتا ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ اس میں کوئی راحت نہیں اور یہ بالکل ہی بے مزہ اور بے لطیف کیفیت ہے اور اس میں سوا تکلیف و مشقت کے برداشت کرنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔ کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو پھر رہبانیت کی کوئی علمی توجیہ نہ ہو سکتی۔ آخر انسان اتنا احمق تو نہیں ہے کہ خواہ مخواہ اذیتوں کو دعوت دے۔ ریاضت ہائے شاقہ کا تحمل پیدا کرے اور عروسِ دنیا کے آغوشِ محبت سے منہ موڑ کر زندگی کے ایسے ڈھنگ کو اختیار کرے جس میں سرے سے کوئی لذت اور لطف ہی نہیں۔ بات یہ ہے کہ جس طرح دنیا کی لذتیں ہیں۔ اس عالم کی بے پناہ جاذبیتیں اور کشش ہے۔ اسی طرح روح کی بھی ایک دنیا اور ایک عالم ہے۔ پھر جس طرح جسم کے تقاضوں کو پورا کرنے سے راحت کا احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح روح کے مطالبوں کو ماننے سے سرور و انبساط حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک راہب اور جوگی جو کئی کئی ماہ تک پانی میں کھڑا رہتا ہے، بھوکا اور پیاسا رہتا ہے اور عجیب و غریب محنتوں اور ریاضتوں کو اپنے لیے ضروری مانتا اور تسلیم کرتا ہے۔ وہ صرف عقبیٰ و آخرت کے پیش نظر ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ اس کیفیت میں فی الواقع ایک طرح کا لطف ایک طرح کی سرشاری اور سیری محسوس کرتا ہے۔ اور یہ کیفیتیں اس کو مجبور کرتی ہیں کہ اپنے ان مشاغل کو جو بظاہر بڑے ہی ہولناک اور تکلیف دہ ہیں جاری رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ نفسیات کے موجودہ علماء اس بات کے اعتراف پر مجبور ہوئے ہیں کہ دنیا سے گریز اور عالمِ مادی سے ایک گونا گونا کوئی اوپر اجذبہ نہیں کہ جس کو نفس و روح کی خواہش کے علی الرغم عائد کر لیا گیا ہو۔ بلکہ بدءِ آفرینش سے انسان کے دل میں یہ موجزن ہے۔ اور اسی کی یہ کرشمہ سازیاں ہیں کہ پادشاہوں نے بسا اوقات صرف اس کی خاطر تخت و ایوان پر لات ماردی اور اچھے خاصے آسودہ اور خوش حال لوگوں نے ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا

اور روحانی لذتوں کو جسم و مادہ کی لذتوں پر ترجیح دی۔

اسلام اس سے انکار نہیں کرتا اور نہ اس جذبہ کی اہمیت کو جھٹلاتا ہی ہے بلکہ وہ عبادات کا ایسا دلنشین لائحہ عمل تجویز کرتا ہے جس سے کہ خود بخود نہایت توازن اور اعتدال کے ساتھ اس فطری خواہش کی تسکین کا سامان بہم پہنچ جاتا ہے..... ہمارے نزدیک روزہ اس کی مکمل ترین شکل ہے..... محولہ فوق آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ روزہ پہلی دفعہ صرف تم پر فرض نہیں ٹھہرایا گیا بلکہ پچھلی قوموں کو بھی اس کا مکلف گردانا گیا ہے تو اس کا صاف صاف یہی مطلب ہے کہ اسلام نے ہمیشہ قلب و روح کے اس گوشہ کی طرف توجہ کی ہے اور ہمیشہ ایسا اہتمام کیا ہے کہ ہر آدمی اس دنیا کے جھمیلوں میں پڑنے کے باوجود روح و قلب کی خلوتوں سے بھی بہرہ مند ہو سکے کہ اس بہرہ مندی کی بغیر خود دنیا کی لذتیں بے کیف اور بیچ ہیں۔ اسلام نے جس رہبانیت سے روکا ہے اس کی حقیقت دوسری ہے اور وہ یہ کہ صرف اسی ایک تقاضا کا ہو رہنا صحیح نہیں بلکہ دنیا میں رہ کر یہاں کی دلچسپیوں میں حصہ بھی لینا ہے اور ارتقا و تقدم کی فطری گاڑی کو اگلی منزلوں تک بھی پہنچانا ہے۔ روزہ کی اس تعبیر کو سامنے رکھیے تو معلوم ہوگا کہ تتقون کہہ کر جس غرض و غایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کیا ہے؟ کیا وہ نری خافقاہیت سے تعبیر ہے؟ یا ترک دنیا کی کوئی کھری صورت ہے؟ نہیں نہیں۔ اسلام اس نوع کے غیر مدنی تصور کو ہرگز پیش نہیں کر سکتا۔ تقویٰ سے یہ مراد ہے کہ اپنی تمام خواہشات، ضروریات اور تقاضوں کا محور بدل دو۔ اور اللہ کی خوشنودی کے سوا اور کسی شے کو یہ درجہ نہ دو کہ وہ تمہارے قلب و ذہن کے داعیات کو اکسا اور متاثر کر سکے۔ روزہ دار اس لیے بھوک اور پیاس کی کلفتوں کو برداشت نہیں کرتا کہ فی نفسہ بھوک اور پیاس ہنا حصول تقویٰ کے لیے ضروری ہے یا ممد و معاون ہے بلکہ وہ اس لیے بھوک اور پیاس رہتا ہے کہ اس کا پروردگار اس ادا کو پسند کرتا ہے اور اس کا حکم ہے کہ ان مبارک دلوں میں بجائے جبلت اور خواہش کی اطاعت و فرمانبرداری کے معیار کے اس کے حکم کو معیار قرار دیا جائے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کے بارے میں یہ فرمایا ہے: الصوم لی وانا اجزی بہ۔ روزہ میری خوشنودی کے لیے ہے۔ اس لیے اس کا صلہ میرے ذمہ ہے، یعنی رمضان سے پہلے ایک شخص اس لیے کھاتا اور پیتا ہے کہ اس کا جسمانی نظام اس کا متقاضی ہے۔ اور جبلت و فطرت مجبور کرتی ہے کہ معدہ کی خلاؤں کو غذا اور آب سے بھرا جائے۔ لیکن جب رمضان کا آغاز ہوتا ہے تب کھانے پینے کا محور بدل جاتا ہے۔ اب ایک مسلمان اس لیے نہیں کھاتا پیتا کہ اس کا نظام جسمانی اس کا طالب ہے بلکہ اس لیے کھاتا پیتا اور کھانے پینے سے محتر ز رہتا ہے کہ اس کا مرکز اطاعت معدے کے بجائے اللہ کا حکم ہو گیا ہے اور اب وہ اس وقت کھائے اور پیئے گا جب کہ خود اللہ اس کو کھلائے اور پلائے گا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا ہے کہ رمضان میں شیطان پابہ زنجیر کر دیا جاتا ہے۔ و صفدت الشیاطین کہ شیطان اس وقت انسان پر قابو پا سکتا ہے جب یہ اپنی خواہشات کو کسی اونچے اور متعین نصب العین کے تحت نہ رکھے۔ بلکہ ان کو کھلا اور آزاد چھوڑ دے۔ لیکن اگر خواہشات کا مرکز اطاعت نفس نہ رہے۔ بلکہ اللہ کی خوشنودی قرار پائے تو ظاہر ہے کہ اس کی بے راہ روی کے تمام امکانات ختم ہو جاتے ہیں اور یہی شیطان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دینے کے مترادف ہے۔ روزہ اسی پابندی کا نام ہے اور یہی تقویٰ ہے کہ انسان کا نقطہ نظر دنیا، جسم اور نفس کے تقاضے نہ رہیں بلکہ وہ ان سب چیزوں کو اللہ کی اطاعت و خوشنودی کے زاویہ سے دیکھے اور پھر زندگی کے پورے نظام کو اس کے مطابق ڈھالے، یعنی تقویٰ کا یہ مفہوم نہیں کہ آپ دنیا کی لذتوں کو ترک کر دیں یا کسی ایک آسائش و راحت سے بھی دست کشی پر مجبور ہوں بلکہ تقویٰ صرف نقطہ نظر کی تبدیلی کا دوسرا نام ہے۔ جب آپ دنیا میں رہتے ہیں اور دنیا کے مطالبوں پر اس طرح نظر ڈالتے ہیں کہ کتاب و سنت میں ان کے بارے میں کیا تعلیمات ہیں اور خدا و رسول ﷺ کس ڈھنگ کی زندگی چاہتے ہیں۔ تو یہ پوری جدوجہد، یہ ساری کشاکش اور تنگ و دو جو حصول دنیا کے لیے معرض ظہور میں آتی ہے دین بن جاتی ہے اور اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری قرار پاتی ہے۔

تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

نہیں ہوگی۔ اس حوالے سے سورہ یس اور ق (آیت: ۴۲) کے تحت جو کچھ ہم لکھ آئے ہیں اس کی بھی مراجعت فرمائی جائے۔
﴿فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ﴾ ہماری ایک جھڑکی سے وہ یکا یک دیکھ رہے ہوں گے۔ جس طرح دنیا میں دیکھتے تھے اسی طرح وہاں بھی دیکھنے لگیں گے۔ اس میں حیرانی کی تلخ ہے کہ وہ آناً فاناً اٹھ کے ایک دوسرے کو اور قیامت کے منظر کو دیکھ رہے ہوں گے۔ یہ کیفیت دوسرے فقرے سے ہوگی:

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ﴾ [الزمر: ۶۸]

”اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہوں گے، مر کر گر جائیں گے مگر جسے اللہ نے چاہا، پھر اس میں دوسری دفع پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔“

جس قیامت کا امکان انھیں دور دور نظر نہیں آتا تھا اور کہتے تھے:

﴿ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ﴾ [ق: ۳]

”یہ واپسی بعید ہے۔“

آج اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ بلکہ قیامت کے دن نظریں تیز کر دی جائیں گی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ﴾ [ق: ۲۲]

(باقی صفحہ نمبر ۱ پر ملاحظہ کیجیے)

﴿فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ﴾ اس میں اور بعد کی آیات میں احوال قیامت کی بعض تفصیل بیان ہوئی ہیں کہ اس کو تم کوئی مشکل نہ سمجھو یہ ہماری ایک ڈانٹ سے اٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔

زجر: آواز کے ساتھ دھتکارنے، ڈانٹنے اور جھڑکنے کو کہتے ہیں۔ کبھی یہ صرف دھتکارنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی آواز کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حوالے سے ”زجر“ اور ”صبحہ“ دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

﴿فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ﴾ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۵﴾

[النازعات: ۱۳، ۱۴]

”پس وہ تو صرف ایک ہی ڈانٹ ہوگی۔ پس یک لخت وہ

زمین کے اوپر موجود ہوں گے۔“

یہاں ڈانٹ اور جھڑک کا لفظ بڑا معنی خیز ہے گویا جتنے انسان مرے ہوئے ہوں گے وہ ایک ہی ڈانٹ سے قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے، جیسے سونے والے کو ڈانٹ کر کہا جاتا ہے: اٹھو۔ تو اس کے اٹھنے میں دیر نہیں ہوتی بالکل اسی طرح مرے ہوئے ہماری ایک ڈانٹ سے قبروں سے اٹھنے میں دیر نہیں کریں گے۔ سورہ یس میں ہے:

﴿إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ﴾ [یس: ۵۳]

”نہیں ہوگی مگر ایک ہی چیخ تو اچانک وہ سب ہمارے پاس

حاضر کیے ہوئے ہوں گے۔“

گویا چیخ میں جھڑکنے اور ڈانٹنے کا انداز ہوگا صرف ایک بلند آواز

۱ دیکھیے ہفت روزہ الاعتصام، جلد: ۶۳، شمارہ: ۴ اور جلد: ۶۴، شمارہ: ۴۱۔

اربعین اعتقادی

ترجمہ و فوائد
حافظ ریاض
عاقب اثری

۶

فرائد الفوائد في جمع الأربعين من أحاديث العقائد

ہے کہ آپ کے سوا کسی سے نہ پوچھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کہہ کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ڈٹ جا۔“

فوائد:

۱: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا واجب ہے۔ ایمان باللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات، افعال اور حقوق میں ایک ماننا، رب کے حقوق کا مطلب اس کی عبادت اور اس کے اوامر و نواہی کو بجا لانا ہے۔ ایمان باللہ کی وضاحت نبی کریم ﷺ نے یوں فرمائی: ((ہل تدرون ما الإيمان باللہ وحده؟ قالوا: اللہ ورسولہ أعلم۔ قال: ((شهادة أن لا إله إلا اللہ وأن محمداً رسول اللہ، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وصوم رمضان.)) (صحیح بخاری، رقم: الحدیث: ۵۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۷)

”کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔“

۲: جامع کلام کی تعلیم کے بارے سوال کرنا جائز ہے۔

۳: توحید و استقامت کی بہت اہمیت ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابی کو یہ جامع وصیت فرمائی جو تمام دین کو شامل ہے۔

۴: استقامت کا مطلب صراطِ مستقیم پر چلنا ہے اور یہ اطاعت کے تمام ظاہری و باطنی افعال اور تمام قسم کی منہیات کے ترک کو

باب: وجوب الإیمان باللہ، لقول اللہ تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ [النساء: ۱۳۶]، ﴿كُلُّ أَمْنٍ بِاللَّهِ [البقرة: ۲۸۵]

۳: عن سفیان بن عبد اللہ الثقفی رضی اللہ عنہ قال: قلت: یا رسول اللہ ﷺ! قل لی فی الإسلام قولاً لا أسأل عنه أحداً بعدك وفي رواية: غيرك قال: قل آمنت باللہ ثم استقم .

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۸)

اللہ عزوجل پر ایمان لانا واجب ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول (محمد ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ۔“

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

”ہر ایک اللہ پر ایمان لایا۔“

۳: جناب سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اسلام کے متعلق کوئی ایسی بات بتائیں کہ مجھے اس کے بارے آپ ﷺ کے بعد کسی سے بھی سوال نہ کرنا پڑے اور ایک روایت میں

شامل ہے۔

۵: مسلک توحید پر انسان کو ڈٹ جانا چاہیے اس راہ میں اگر مصائب و آلام آئیں تو صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ انسان دائیں بائیں نہ دیکھے بلکہ اللہ کے لیے اپنا دین و عمل خالص کرے اور اس پر ثابت قدم رہے۔

۶: اس حدیث میں مرحہ (جو اعمال کو ایمان سے مؤخر کرتے ہیں) پر رد ہے کیونکہ یہ حدیث تو اچھے کاموں کے بجالانے اور معاصی سے رکنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور مرحہ کہتے ہیں کہ اعمال کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سلف صالحین اور اہل حدیث کے نزدیک ایمان میں اعمالِ صالحہ داخل ہیں اور یہی مذہبِ برحق ہے۔

۷: یہ حدیث جوامع الکلم سے تعلق رکھتی ہے جو اسلام کے بنیادی اصول یعنی توحید اور اطاعت کو شامل ہے۔

اعلانِ داخلہ

جامعہ راشدیہ پیر آف جھنڈا سندھ، جس کے بانی پیر سید بدیع الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ تھے، میں شعبہ درسِ نظامی کامیابی سے شروع ہے۔

اس میں داخلے کے خواہش مند حضرات شوال میں تشریف لائیں۔

مختی اساتذہ کی نگرانی میں توجہ سے طلباء کو پڑھائی کرائی جائے گی، ان شاء اللہ۔

سید نصرت اللہ شاہ راشدی

المکتبۃ الراشدیہ، نیو سعید آباد، سندھ

موبائل نمبر: 0302-3230042

بقیہ: تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

”بلاشبہ یقیناً تو اس سے بڑی غفلت میں تھا، سو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ دور کر دیا، تو تیری نگاہ آج بہت تیز ہے۔“
یہ نظر کی تیزی بھی اس لیے کہ وہ دور سے جہنم کو دیکھ کر اپنے انجام کا اندازہ لگا لے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ”نَفْث“ زندہ ہونے کی علامت ہے جیسے پہلا نَفْث موت کی علامت ہے۔ موت و حیات سے اس کا تعلق نہیں۔ موت و حیات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔
ایک اشکال کا جواب:

یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں مجرموں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ انھیں اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ سورہ طہ (آیت: ۱۲۳-۱۲۶) میں اور الاسراء (آیت: ۹۷) میں بیان ہوا ہے۔ مگر یہاں ان کے دیکھنے کا ذکر ہے۔ علامہ قرطبی نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ یہ میدانِ محشر میں انسانوں کے مختلف احوال کی بنا پر ہوگا۔ ابتداءً تو وہ سب کچھ دیکھ رہے ہوں گے مگر جب انھیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تب وہ اندھے، گونگے، بہرے بنادے جائیں گے۔ اس کی تفصیل ہم سورہ ق (آیت: ۲۲) میں ذکر کر آئے ہیں۔ شائقین اس کی مراجعت فرمائیں۔ ❶

❶ دیکھیے ہفت روزہ الاعتصام، جلد: ۶۲، شمارہ: ۴۶، مجریہ: ۲۶ نومبر ۲۰۱۰ء۔

ماہِ صیام کے مختصر مستند فضائل و مسائل

عابد مجید مدنی، فاضل مدینہ یونیورسٹی

رمضان المبارک قبل از نماز مغرب۔ جب کہ اعتکاف کی مقررہ جگہ میں داخلہ نماز فجر کے بعد مسنون ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۴۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۷۳)

۳۔ اعتکاف کی جگہ مسجد: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اور تم اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو“ (البقرة: ۱۸۷)

امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اعتکاف صرف جامع مسجد میں ہے۔ (صحیح سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۴۷۳)

۴۔ اعتکاف اور لیلة القدر (شب قدر): لیلة القدر (شب قدر) عظمت والی رات ہے یہ ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

(القدر: ۳)

اعتکاف میں ہوتے ہوئے اس رات کی تلاش میں زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔ یہ امت مسلمہ کے لیے بہت بڑا اعزاز اور تحفہ ربانی ہے۔ اس میں بہ کثرت عبادت اور رجوع الی اللہ کرنا چاہیے۔

لیلة القدر یعنی شب قدر کی تلاش کے بارے میں کئی احادیث صحیحہ موجود ہیں جن کے مطابق اسے ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ اور ۲۹ طاق راتوں میں ترجیحی طور پر تلاش کیا جاسکتا ہے اور عمومی طور پر دس راتوں میں تلاش شب قدر جاری رہنی چاہیے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۲۰، ۲۰۱۷)

علامات شب قدر:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے

رمضان المبارک میں تراویح (قیام اللیل) اور مسنون تعداد تراویح:

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے قیام کیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۰۸-۲۰۰۹، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۷۶۰)

تعداد تراویح گیارہ رکعت:

حضرت امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ رمضان میں اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ قیام نہیں فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۱۴۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۷۳۸)

تراویح کا اہتمام پورا رمضان:

قیام اللیل اور تراویح کا اہتمام پورا رمضان کرنا چاہیے۔ رسول کریم ﷺ نے تین رات تراویح ادا فرمائی اور بعد میں آپ اس خدشے سے تشریف نہ لائے کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۷۹۰)

لہذا ترغیبی عمل یہی ہے کہ پورا رمضان قیام کیا جائے اور تلاوت قرآن کی بھی سماعت کی جائے۔

آخری عشرے کے مسنون اعمال:

۱۔ اعتکاف کرنا: رمضان کی خصوصی عبادت اعتکاف ہے۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۲۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۷۳)

۲۔ اعتکاف کا وقت آغاز: مسجد میں داخلہ کی تاریخ میں

فرمایا: شب قدر خوشگوار اور روشن رات ہے، نہ گرمی والی اور نہ ٹھنڈک والی۔ صحیح مسلم کی روایت ہے جب چاند طلوع ہوا تو نصف پیلے کی طرح تھا۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۳۳۰/۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۷۷۹)

شب قدر کی مسنون دعا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ شب قدر مجھے معلوم ہو جائے تو میں کیا کہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہو:

اللهم إنك عفو تحب العفو فاعف عني .

(صحیح سنن ترمذی: ۲۷۸۹)

”اے اللہ! تو بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے اور معاف

کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ اے اللہ! مجھے بھی معاف فرما۔“

عورتوں کے لیے اعتکاف:

اعتکاف عورتوں کے لیے بھی مسنون ہے لیکن اس کے لیے جامع مسجد کا ہونا شرط ہے۔ گھروں میں اعتکاف کرنا درست نہیں۔ ازواج مطہرات مسجد میں اعتکاف فرماتیں۔ حضرت حفصہ نے خیمہ لگانے کی اجازت مانگی تو اجازت مل گئی۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۲۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ ﷺ آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے حتیٰ کہ آپ وفات پا گئے۔ آپ کے بعد امہات المؤمنین نے اعتکاف کیا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۲۶)

اعتکاف میں جائز امور:

سردھونا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۳۱)

کنکھی کرنا اور تیل لگانا۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۳۵، ۲۰۳۸، ۲۰۳۹)

اعتکاف میں ناجائز امور:

مریض کی عیادت کرنا، جنازہ پڑھنے کے لیے جانا، بیوی سے مباشرت کرنا، غیر ضروری کام کے لیے مسجد سے نکلنا۔

(صحیح سنن ابی داود، حدیث نمبر: ۲۴۷۳)

آخری عشرے میں شبینے اور جلسے:

پورے رمضان اور بالخصوص آخری عشرے میں تلاوت قرآن

مجید، صدقہ و خیرات اور نوافل وغیرہ اہم عبادات ہیں۔ ان کی جگہ جلسے اور شینے کرنا ثابت نہیں۔ لہذا غیر مشروع طریقوں سے اجتناب ضروری ہے۔

آخری عشرے میں عمل صالح میں تیزی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ آخری عشرے میں اتنی محنت کرتے کہ اتنی کسی اور عشرے میں نہ کرتے تھے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۷۸۸)

دوسری روایت میں ہے:

آپ ﷺ اپنی کمر کس لیتے، یعنی عبادت میں تیز ہو جاتے۔ رات کو خود اور اپنے اہل خانہ کو بھی جگاتے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۳۳)

عید کی نماز سے قبل فطرانہ فرض:

رمضان المبارک کے آخر اور عید الفطر کی نماز سے قبل ہر امیر، غریب، غلام، آزاد، چھوٹے بڑے، مذکر مؤنث اور بچے پر فطرانہ فرض ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۵۰۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۹۸۴)

مسنون فطرانہ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک صاع غلہ، یا ایک صاع جو، یا ایک صاع کھجور، یا ایک صاع پنیر، یا ایک صاع منقی فطرانہ ادا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۵۶۶)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ”من طعام“ کے الفاظ سے غلہ اور اناج کی ہر خوردنی قسم داخل ہے جیسے چاول وغیرہ۔

(رسالہ شہر رمضان، ص: ۲۷)

مجموع الفتاویٰ میں ہے کہ ہر علاقے کے لوگ اپنی خوارک سے فطرانہ نکالیں گے خواہ وہ ان اجناس مذکورہ سے نہ ہو، جیسے لوگ چاول یا مکئی کھاتے ہیں تو اکثر علماء کے نزدیک وہ اسی سے فطرانہ ادا کریں گے۔ (مجموع الفتاویٰ: ۲۰۵/۲۱)

رمضان المبارک میں دیگر نیک اعمال:

تلاوتِ قرآن مجید چونکہ رمضان اور قرآن کا گہرا تعلق ہے۔ اس لیے اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ خود نبی کریم ﷺ رمضان میں حضرت جبرائیل کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۴۹۹۷)

رمضان اور صدقہ و خیرات:

حدیث میں آتا ہے آپ ﷺ رمضان میں تیز آندھی سے بھی زیادہ سخی ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۴۹۹۷)

رمضان اور دعا:

سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مسائل کے درمیان دعا کا ذکر فرمایا۔ (البقرۃ: ۱۸۶)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں دعا اہمیت کا حامل عمل ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں کہ روزے دار کی دعا رد نہیں ہوتی۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ: ۴ / ۴۰۶)

رمضان اور عمرہ:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رمضان میں عمرہ کرنا عام حج یا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۰۳۹)

شوال کے نفلی روزے:

رمضان کے فرض روزوں کے بعد جس نے شوال کے نفلی چھ روزے رکھے تو گویا اس نے پورے سال کے روزے رکھے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۶۴)

رمضان المبارک کے ایام، کو غنیمت جانتے ہوئے نہایت اخلاص نیت کے ساتھ اعمال صالحہ کرنے کے لیے کمر بستہ رہنا چاہیے اور اس کی بابرکت گھڑیوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ شاید کہ یہ آخری رمضان ہو اور آئندہ رمضان سے پہلے آدمی آخرت کے راہ کارا ہی بن چکا ہو۔

اکثر علماء کے نزدیک اجناس سے فطرانہ نکالنا مسنون اور رائج مسلک ہے۔ جب کہ قیمت دینا بعض علماء نے جائز جانا ہے۔

(رسالہ شہر رمضان، ص: ۲۷)

مقدار فطرانہ:

فطرانہ کی مقدار حدیث میں ایک صاع بیان ہوئی ہے جس کا وزن ۲ سیر ۱۴ اچھٹا نک ۴ تولے (۲ کلو ۷۳۰ گرام) بنتا ہے۔

(رسالہ شہر رمضان، ص: ۲۸)

محمد ثور پوری رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق صاع کا وزن ۲ کلو ۱۰۰ گرام بنتا ہے۔

مقصد فطرانہ:

رسول اکرم ﷺ نے فطرانہ کو روزہ دار کے لیے تطہیر اور مساکین کے لیے کھانا قرار دیا ہے۔

(صحیح سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۱۴۸۰)

فطرانہ کی ادائیگی گھرانے کے سربراہ کی ذمہ داری ہے۔

(سنن البیہقی: ۴ / ۱۶۱)

روزہ کی قضاء:

بیمار، مسافر، دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت رمضان کے روزے حسب سہولت بعد کے دنوں میں رکھے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رمضان کے واجب روزے شعبان میں قضا کرتی تھی۔

(صحیح بخاری)

میت کے روزے کی قضاء:

فوت ہو جانے والے کے ذمے روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی ان روزوں کی قضاء دے گا۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۹۵۲، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۹۲)

حالت روزہ میں جماع کرنے کا کفارہ:

ایک غلام آزاد کرنا۔ اگر اس کی طاعت نہ ہو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ (سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۳۹۳)

مسئلہ وسیلہ کے بارے میں طاہر القادری صاحب کا ایک بہت بڑا مغالطہ اور اس کی حقیقت

مولانا عبدالرحمن ضیاء

حدیث لَوْلَاكَ کے متعلق مزید تحقیق:

”لَوْلَاكَ لَمَا خُلِقَتِ الْأَفْلَاكُ.“

اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں افلاک پیدا ہی نہ کرتا۔

یہ حدیث کتب تصوف اور عام لوگوں میں حدیث قدسی (اللہ تعالیٰ کا فرمان) کے طور پر معروف ہے اور اسی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو صاحبِ لولاک یا شاہِ لولاک کے ساتھ ملقب کیا جاتا ہے اور اسی کی بنا پر کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کی نبوت بالذات ہے اور باقی تمام انبیاء کی نبوت بالعرض ہے اور اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی حرف نہیں آئے گا (تحدیر الناس از قاسم نانوتوی) اور اس بات سے قادیانی بہت خوش ہوتے ہیں۔

آئیے اس حدیث کی تحقیق کر لیں کیا فی الواقع یہ اللہ تعالیٰ کا یا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے یا نہیں۔ محدثین کرام جو اس فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے وہ اس بارے کیا کہتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ پر جو جھوٹ باندھا جاتا ہے کبھی بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو درپردہ نہیں رہنے دیا اسی طرح جو کوئی خود حدیث بنا کر نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دیتا ہے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے کبھی پردے میں نہیں رہنے دیا۔ جیسا کہ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:

مَا سَتَرَ اللَّهُ أَحَدًا يَكْذِبُ فِي الْحَدِيثِ.

جو کوئی حدیث میں جھوٹ بولتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے درپردہ نہیں رکھا بلکہ اس کا جھوٹ ضرور کھول دیا ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَوْ هَمَّ رَجُلٌ فِي الْبَحْرِ يَكْذِبُ فِي الْحَدِيثِ
لَأَصْبَحَ وَالنَّاسُ يَقُولُو: فَلَانْ كَذَابٌ.

(شرح عقیدہ طحاویہ، ص: ۴۰۰)

اگر کوئی شخص رات کے وقت سمندر کی تہہ میں جا کر حدیث میں جھوٹ بولنے کا ارادہ کرے تو بھی صبح کے وقت لوگ کہہ رہے ہوں گے کہ فلاں شخص کذاب ہے۔

اور محدثین کی شان تو یہ تھی کہ

لَوْ قَتَلُوا لَمْ يَسَامَحُوا أَحَدًا فِي كَلِمَةٍ يَقُولُهَا
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

(شرح عقیدہ طحاویہ، ص: ۴۰۱)

حدیث نبوی کو جھوٹ سے محفوظ رکھنے اور پاک کرنے کی خاطر انہوں نے اپنی جانیں بھی قربان کرنے سے گریز نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف ایک جھوٹے لفظ کی بھی نسبت برداشت نہیں کی۔

وہ اسلام کے پاسبان تھے انھوں نے دین اسلام ہم تک اسی طرح پہنچایا جس طرح ان تک پہنچا تھا وہ تو احادیث کو اسی طرح پرکھتے تھے جس طرح ماہر سنار سونے کو پرکھتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ، اسی لیے انھیں صیارت الحدیث (حدیث کی پرکھ رکھنے والے) اور اس میں مہارت رکھنے والے ماہر سنارے) کہا جاتا ہے۔

حدیث لَوْلَاكَ کے مختلف الفاظ کے بارے میں محدثین کا فیصلہ:

یہ روایت مختلف الفاظ سے ذکر کی جاتی ہے مثلاً:

نمبراً: ”لَوْلَاكَ لَمَا خُلِقَتِ الْأَفْلَاكُ.“

اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔

سوال کیا تو میں نے کہا یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں اس نے یقین کے ساتھ کہا کہ یہ الفاظ قرآن میں آتے ہیں میں نے اس کی نفی کی، اس نے اصرار کیا کہ یہ قرآن میں لکھا ہوا ہے، وہ میری کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ یہی کہے جاتا تھا کہ یہ قرآن میں موجود ہے حتیٰ کہ ہم نے قرآن مجید کا ایک نسخہ اس کے سامنے لا کر رکھ دیا تا کہ وہ اس سے نکال کر دکھائے تو نکال تو نہیں سکا لیکن کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔

(ذلك مبلغهم من العلم .)

ہمارے محترم فاضل مفتی شیخ عبدالرحمن عابد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پھر لطف کی بات ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اس (غیر ثابت) حدیث کو چرا کر اپنی کتاب حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۹۹ پر لکھا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ان الفاظ کے ساتھ مخاطب ہوا ہے:

لولاك لما خلقت الأفلاك .

(اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا ہی نہ کرتا۔) (دیکھئے آپ

کے مسائل اور ان کا حل کتاب سنت کی روشنی میں: ۶۳/۱)

نمبر ۲: لولاك لما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار .

یعنی اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہ کرتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں آگ پیدا نہ کرتا۔

یہ مذکورہ بالا الفاظ بھی ملا علی قاری نے اپنی مشہور کتاب موضوعات کبیر میں ذکر کیے ہیں۔

یہ الفاظ مسند دلیلی کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔

لیکن موضوعات کبیر کے محقق نے لکھا ہے کہ ملا علی قاری کی ذکر کی ہوئی حدیث نہ ہی لفظاً صحیح ہے اور نہ ہی معنی اور دلیلی والی روایت بھی صحیح نہیں۔

اور علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ دلیلی کی روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کی صحت بیان کی ہو اور میں اگرچہ اس کی سند سے واقف نہیں ہو سکا لیکن مجھے اس کے ضعیف ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے اس کے ضعیف ہونے کی اتنی دلیل ہی

مشہور محدث علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سلسلہ احادیث ضعیفہ جلد ۱، صفحہ ۲۹۹، حدیث: ۲۸۲ میں درج کیا ہے اور ساتھ ہی اس کے موضوع (بناوٹی اور من گھڑت) ہونے کا فیصلہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ اسے علامہ محمد بن حسن صفانی (وفات ۶۵۰ھ) نے ”الاحادیث الموضوعة“ نامی کتاب کے ص ۵۲ حدیث ۷۸ اور ملا علی قاری نے اپنی کتاب ”موضوعات“ میں درج کیا ہے اسی طرح امام شوکانی نے بھی اسے امام صفانی کے قول سے موضوع قرار دیا ہے (الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعة ص ۳۲۶ باب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۱۸)۔ بعض جاہلوں نے اس روایت کی نسبت قرآن حکیم کی طرف بھی کر دی ہے:

افسوس صد افسوس کہ بعض بے علم لوگوں نے لولاك لما خلقت الأفلاك کی نسبت قرآن کی طرف بھی کر دی ہے۔ مثلاً مولوی ابوالاعجاز محمد ادریس شاہ صاحب لکھتے ہیں:

چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے:

لولاك لما خلقت الأفلاك .

نیز لکھتے ہیں کہ اس مضمون کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

لولاك لما خلقت الأفلاك .

کہ اگر میں محمد کو پیدا نہ کرتا تو یہ زمین و آسمان بھی نہ بنائے جاتے۔ (گنجینہ سرور، ص: ۱۰-۱۲ نیز دیکھیے حقیقت اور مرزائیت، ص: ۲۱۰-۲۱۱)

یہ ہے ان لوگوں کا مبلغ علم کہ یہ ضعیف ترین موضوع حدیث کی تصحیح کو کبھی اہل علماء و محدثین کی طرف منسوب کر رہے ہیں جیسا کہ قادری صاحب نے کیا ہے اور کبھی اسے قرآن کہہ رہے ہیں جیسا کہ ابوالاعجاز شاہ نے کیا ہے۔

میں ایک دفعہ اپنے ہی شہر جھنگ صدر میں محترم بھائی عبدالقدوس صاحب کی مسجد میں درس قرآن دینے کی غرض سے گیا، درس سے فارغ ہونے کے بعد سوالات کی نشست ہوئی تو ایک شخص نے مجھ سے اسی روایت یعنی لولاك لما خلقت الأفلاك کے متعلق

کافی ہے کہ یہ صرف مسند فردوس دہلی میں ہی آئی ہے۔

(سلسلہ ضعیف، جلد: ۱ ص: ۳۰۰، تحت رقم الحدیث: ۲۸۲)

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت دہلی (وفات ۵۰۹ھ) کی کتاب فردوس الاخبار (جلد ۵ ص ۳۳۸ حدیث ۸۰۹۰) پر موجود ہے لیکن انھوں نے نہ ہی اس کی سند لکھی ہے اور نہ ہی کسی اور کتاب کا حوالہ دیا ہے۔

نمبر ۳: ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں ابن عساکر کے حوالہ سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:

لولا ما خلقت الدنيا .

اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا ہی نہ کرتا۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس روایت پر ابن جوزی رحمہ اللہ نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے اور سیوطی نے ابن جوزی کے فیصلے کو برقرار رکھا ہے۔ (دیکھئے اللالی المصنوعہ: ۲/۲۱، سلسلہ ضعیف ۲۹۹/۳۰۰)

نیز سیوطی نے اپنی تفسیر الدر المنثور (۱/۱۳۵) میں بھی اسے واہی (انتہائی کمزور) قرار دیا ہے۔

اس سے بخوبی واضح ہوا کہ جنھوں نے دہلی یا ابن عساکر کی روایت کو اپنا سہارا بناتے ہوئے اسے معنی صحیح قرار دیا ہے وہ کسی صورت میں بھی درست نہیں ہے کیوں کہ دہلی میں تو اس کی سند ہی موجود نہیں اور ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۳/۲۹۶، ۲۹۷) میں یہ روایت موجود ہے لیکن یہ بھی موضوع چنانچہ اس کے متعلق علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں:

هذا حديث موضوع لا شك فيه ، وفي إسناده مجهولان وضعفاء أبو السكين وإبراهيم بن اليسع وقال الدار قطنی: أبو السكين ضعيف وإبراهيم ويحيى البصري متروكان وقال أحمد بن حنبل: خرقت أحاديث يحيى البصري وقال الفلاس: كان كذابا يحدث أحاديث موضوعة وقال الدار

قطنی: متروك . (كتاب الموضوعات، تحقيق

دكتور نور الدين بن شكري طبع أضواء السلف

(۱۹)

یعنی یہ حدیث بلا شک و شبہ موضوع (بناوٹی) ہے اس کی سند میں دو مجہول اور کئی ایک ضعیف راوی ہیں۔ ابوسکین ضعیف اور ابراہیم بن یسع اور یحییٰ بصری متروک ہیں، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بصری کی احادیث پھاڑ دی تھیں اور محدث فلاں نے کہا ہے کہ یحییٰ بصری کذاب تھا خود ساختہ حدیثیں بیان کرتا تھا۔

یہ بھی یاد رہے کہ موضوع روایت، موضوع روایت کا سہارا نہیں بن سکتی جس طرح ایک نابینا دوسرے نابینے کا سہارا نہیں بن سکتا بلکہ اس سے تو اس کا موضوع ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تو موضوعات کبیر کے محقق نے ملا علی قاری کے قول پر تنقید کا حاشیہ لگا دیا ہے۔

نمبر ۴: لولا لما اظهرت ربوبيتي .

اگر تم نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت ظاہر نہ کرتا۔

ان کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب ملفوظات (حصہ چہارم، ص: ۲۴۷ طبع کارخانہ اسلامی کتب کراچی) میں لکھتے ہیں:

میں نے حدیث میں نہیں دیکھا۔ ہاں صوفیہ کی کتاب میں یہ الفاظ آئے ہیں:

لولا لما اظهرت ربوبيتي .

اس سے پتا چلا کہ کتب حدیث میں یہ لفظ نہیں اور کتب تصوف میں اس کا ہونا اس کے ثبوت کے لیے کافی نہیں۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الاسناد من الدين لولا الاسناد لقال من شاء

ما شاء . (مقدمہ صحیح مسلم، ص: ۱۲)

اسناد (حدیث کی سند بیان کرنا) دین کا حصہ ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جو کوئی جو کہنا چاہتا نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے

کہہ دیتا۔

پھر ان کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب نے یہ حدیث ان الفاظ (لو لاک لما خلقت الدنيا "اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا") کے ساتھ صحیح بنانے کی کوشش کی ہے حالانکہ نمبر ۳ میں ان الفاظ کا موضوع ہونا آپ کو معلوم ہو گیا ہے۔

مزید برآں علامہ ابوالحسن ابن عراق کنائی نے ان الفاظ کو اپنی معروف کتاب تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشنیعہ الموضوعة (جلد ۱: صفحہ ۳۲۵) میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ اسے ابن جوزی نے موضوعات میں بکچا بصری کے طریق سے ذکر کیا ہے اور بکچی بصری تمار کے متعلق ابن عراق اپنی اسی کتاب تنزیہ (۱۲۸/۱) میں فرماتے ہیں کہ ابن عدی نے اسے متہم (یعنی اس پر کذب بیانی کی تہمت ہے) قرار دیا ہے۔

اور مزید فرماتے ہیں:

وفیه ایضاً مجہولون وضعفاء .

اس میں مجہول اور ضعیف راوی بھی ہیں۔ (نمبر ۳: میں اس کی تفصیل دیکھ لیجیے)

اصول حدیث جاننے والا ایک طالب علم بھی جانتا ہے کہ اس طرح کے متہم اور ضعیف و مجہول راویوں والی حدیث کی وجہ سے کوئی موضوع حدیث صحیح نہیں بن جاتی۔

نمبر ۵: لولا محمد ما خلقت ادم ولولا محمد ما خلقت الجنة ولا النار .

(مستدرک حاکم: ۶۱۴/۲ - ۶۱۵)

”اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمد

نہ ہوتے تو میں جنت اور آگ کو پیدا نہ کرتا۔“

امام ذہبی مستدرک کی تلخیص میں فرماتے ہیں:

اظنہ موضوعا علی سعید .

(تلخیص المستدرک، نمبر: ۴۲۲۷)

”میرا گمان ہے کہ یہ سعید بن ابی عروبہ کے ذمہ لگا دی گئی

ہے اور ان پر تھوپ دی گئی ہے۔“

اور علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا اصل له مرفوعا .

(سلسلہ ضعیفہ: ۱/۲۹۸، ۲۸۰)

یعنی اس کے مرفوع (فرمان نبوی) ہونے میں کوئی حقیقت اور اصل نہیں ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی عمرو بن اوس ہے جس کے بارے میں شبہ ہے کہ اس نے یہ حدیث خود وضع کر کے سعید کی طرف منسوب کر دی ہے۔

اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں عمرو بن اوس راوی کے ترجمے میں یہی حدیث درج کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ مجہول الحال ہے۔ اس نے ایک منکر حدیث ذکر کی ہے۔

(میزان الاعتدال: ۲۴۶/۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (لسان المیزان: ۳۵۴/۴، ترجمہ: ۱۰۴۰) میں امام ذہبی رحمہ اللہ کے اس کو منکر قرار دینے کو برقرار رکھا ہے اور ابن ملقن کی ”مختصر استدراک الحافظ الذہبی“ کے محقق عبداللہ بن حمد اللجید ان نے اسے موضوع ہی قرار دیا ہے۔ (دیکھیے صفحہ: ۱۰۶۸/۲)

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وسیلے کے متعلق وارد ہونے والی ان ضعیف احادیث نے (اس امت میں) جو برے آثار چھوڑے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ امت کے بہت سے افراد مشروع اور جائز توسل سے بدعی توسل کی طرف پلٹ گئے ہیں، کیونکہ میرے علم کے مطابق علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم مبارک کے ساتھ یا اس کی صفات علیا میں سے کسی صفت عالیہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنا مستحب ہے، اسی طرح آدمی کا اپنے کسی نیک عمل کا وسیلہ ڈال کر اللہ عزوجل سے دعا کرنا بھی مستحب ہے۔ (سلسلہ ضعیفہ: ۹۴۱/۱، طبع مکتبۃ المعارف السعودیہ)

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم اور صحیح حدیث کے مطابق عقیدہ رکھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

شریعت پر عمل کرنے میں اختلافِ طبائع رکاوٹ نہیں

موہب الرحیم

قال رسول الله: ان الله خلق آدم من قبضة قبضها من جميع الارض، فجاء بنو آدم على قدر الارض: جاء منهم الاحمر والابيض، والاسود وبين ذلك، والسهل والحزن، والخبث والطيب. (ابوداود، حديث نمبر: ۴۶۳۹، صحيحه الالبانی، ترمذی)

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ نے آدم کو ایک مٹی سے پیدا کیا جسے تمام زمین سے لیا، آدم کی اولاد اسی مٹی کے اعتبار سے آئی، ان میں کوئی سرخ، کوئی سفید، کوئی سیاہ اور کوئی اس کے درمیان درمیان۔ کوئی نرم خواہ اور کوئی سخت خواہ۔ کوئی خبیث اور کوئی طیب (پاک)۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اخلاق میں مٹی کا اثر ہے جس سے اللہ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے۔

ادب المفرد میں امام بخاری رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن زبیر سے ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

ہم عبد اللہ (بن مسعود) کے پاس بیٹھے تھے، لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا اور اس کے اخلاق کے متعلق کوئی بات کہی تو عبد اللہ کہنے لگے: اگر تم اس کا سر کاٹ دو تو کیا خیال ہے دوبارہ لگانے کی طاقت رکھتے ہو؟ کہنے لگے نہیں۔ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: ہاتھ؟ کہنے لگے: نہیں۔ کہا: پاؤں؟ جواب دیا: نہیں۔ عبد اللہ کہنے لگے:

فإنکم لا تستطيعون أن تغیروا خلقه حتی

تغیروا خلقه. (الادب المفرد: ۲۸۳)

”بلاشبہ تم اس کے اخلاق کو تب تک نہیں بدل سکتے جب تک

انسان کو اللہ رب العزت نے مختلف قسم کے مزاجوں پر پیدا کیا ہے۔ کسی میں حلم، نرمی، رافت، رحمت وغیرہ جیسے اوصاف زیادہ ہوتے ہیں کسی میں سختی، غصہ، کم برداشت، ترش روئی وغیرہ جیسے اوصاف زیادہ ہوتے ہیں۔ اس بات کی دلیل کہ مزاج، اخلاق اللہ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں بلکہ پیدائش ہی سے انسان کو ملتے ہیں ابوداود کی یہ حدیث ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے اشج العصری سے فرمایا:

ان فیک خلتنین یحبہما اللہ: الحلم والاناة.

”تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے:

بردباری اور باوقار ہونا۔“

کہنے لگے اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں نے ان کو اپنا اخلاق بنایا ہے یا اللہ نے مجھے ان پر پیدا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: بل اللہ جبلک علیہا۔ بلکہ اللہ نے تمہیں ان پر پیدا کیا ہے۔ کہنے لگے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے ان دو خصلتوں پر پیدا فرمایا جن سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں۔

(ابوداود، حدیث نمبر: ۵۲۲۵)

مسلم وغیرہ میں سیدنا عبد اللہ بن عباس سے ثابت ہے کہ آپ نے اشج العصری کو ان خصلتوں کے بارے میں یہ فرمایا مگر ابوداود کی اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ بعض اس کو حسن کہتے ہیں بعض ضعیف۔ تاہم یہ ضعیف بھی ہو تو ایک اور حدیث پیش خدمت ہے جس سے مقصود حاصل ہو جائے گا۔

ترمذی، ابوداود وغیرہما نے ابوموسیٰ الاشعری رحمہ اللہ سے روایت کیا

کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ایسی بنائی ہے تو مجھے ایسا کرنے پر گناہ کیوں؟ باقی تفصیل کی جگہ نہیں۔ یہاں تو مقصود یہ ہے کہ جب انسان کی طبیعتیں مختلف ہیں تو ان طبیعتوں کے اختلاف کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت لازمی ہے۔ جہاں رحمت، رأفت اور شفقت کو اپنانے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے وہاں ان اوصاف کو اپنانا لازمی ہے۔ اور جہاں غصے، غیرت کے اظہار کا، کسی پر لعنت کرنے کا، کسی سے جہاد کرنے کا اور کسی سے قطع تعلقی کا حکم دیا ہے، وہاں یہ سب کام کرنے لازمی ہیں۔ مزاج اکثر اوقات اطاعت نبوی میں رکاوٹ بنتا ہے، اور وہ بھی دینی رنگ میں، رحم دل آدمی جہاں پر رحم کا حکم نہیں ہوتا ادھر بھی ترجیح اسی کو دیتا ہے جس میں رحم کا عنصر زیادہ ہو، غیور اور سخت آدمی اسی بات کو ترجیح دیتا ہے جس میں سختی ہو۔

طبیعت کا رائے طے کرنے میں کتنا اثر ہوتا ہے اس کی سب سے واضح مثال غزوہ بدر کے قیدیوں کا معاملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو کہنے لگے: میرا خیال ہے فدیہ لے لیں جو کہ کفار کے خلاف قوت مہیا کرے، اور عقریب اللہ ان کو اسلام کی ہدایت دے دے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو کہنے لگے: میرا وہ خیال نہیں جو ابوبکر کا ہے بلکہ ہمیں ان کے متعلق قدرت دیجیے۔ علی رضی اللہ عنہ عقیل کو قتل کریں، میں فلاں کو قتل کروں، یہ لوگ کفر کے سرخیل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات کی طرف مائل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمادیں:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُفْخَرَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَصَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْ لَا كُتِبَ مِنَ اللَّهِ سَبَقٌ لِّمَسْئَلِكُمْ فِيهَا أَخَذْتُمْ عَذَابًا عَظِيمًا ۝ فَكُلُّوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَّالًا طَيِّبًا﴾ [الأنفال: ۶۷-۶۹]

”کبھی کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے ہاں قیدی ہوں، یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون بہا لے، تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ سب پر غالب،

اس کی پیدائشی بناوٹ کو نہ بدل دو۔“ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مخصوص بناوٹ پر پیدا کیا ہے تم اس کو بدل نہیں سکتے اسی طرح تم اس کے مخصوص اخلاق کو جس پر اللہ نے اسے پیدا کیا ہے بھی بدل نہیں سکتے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ مزاج تو نہیں بدلتا مگر اس کے استعمال کا رخ اور اثر ضرور تبدیل ہو جاتا ہے، جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے بھی دلیر تھے بعد میں بھی، پہلے اسلام کے خلاف دلیر تھے، بعد میں کفر کے خلاف دلیر تھے۔

اسی طرح انسان خیر کو عادت بنا کر اپنے مزاج کے شر کو ڈھانپ سکتا ہے، اور اللہ کی توفیق سے اس کے شر سے بچ بھی سکتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

تعودوا الخير، فان الخير بالعادة.

(کتاب الزهد لو کعب: ۱/ ۲۶۴)

”خیر کو عادت بنا لو، بلاشبہ خیر عادت کے ساتھ ہے۔“

کیونکہ عادت طبیعت ثانیہ یعنی دوسری طبیعت ہے، جس طرح انسان اپنی طبیعت کے موافق کام کو پسند کرتا ہے اور اسی کے مطابق کام کرتا ہے، اسی طرح جس کام کی عادت بن جائے انسان اس کو بھی بار بار کرتا ہے، اور اکتانہا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اختلاف طبائع کے باوجود شریعت سب کے لیے ایک ہے، اور اس پر عمل کرنا سب کے لیے ممکن ہے۔ الا یہ کہ اس کو کوئی عارضہ لاحق ہو جس سے شریعت کے احکامات یا تو بالکل اس سے ساقط ہو جائیں، جیسے جنون وغیرہ یا کچھ احکامات ساقط ہو جائیں، جیسے وہ شخص جس کی عقل کبھی زائل ہوتی ہے اور کبھی درست ہو جاتی ہے۔

پھر تکلیف کا خوف سب کی طبیعت میں موجود ہے، نعمتوں کا شوق سب کو ہے، بچہ دل میں اللہ کی معرفت و محبت لے کر ماں کے پیٹ سے آتا ہے، اسی لیے ان امور کی وجہ سے اس کی طبیعت بھی اس کو اطاعت رسول پر ابھارتی ہے۔ لہذا کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ میرا تو مزاج ایسا ہے، طبیعت ایسی ہے اور جب میری طبیعت اللہ نے ہی

کمال حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے لکھی ہوئی بات نہ ہوتی، جو پہلے طے ہو چکی تو تمہیں اس کی وجہ سے جہنم نے لیا بہت بڑا عذاب پہنچتا۔ سو اس میں سے کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی، اس حال میں کہ حلال، طیب ہے۔“

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، نرم دل تھے، عمر رضی اللہ عنہ میں سختی تھی، رسول اللہ ﷺ نرم دل، رحیم اور اس بات پر بہت حریص تھے کہ لوگ ہدایت پا جائیں۔

رائے دینے والوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ارادہ، نیت اور مقصود حصولِ خیر تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود نیت اور ارادہ بھی حصولِ خیر تھا، مگر اس سب کے باوجود طبیعت کے اختلاف کی وجہ سے دونوں کی آراء بھی مختلف تھیں۔

یہ تو مشورہ دینے کا معاملہ تھا مگر جہاں کوئی شرعی حکم ہوتا، ابوبکر و عمر سب سے پہلے اس پر عمل کرنے والے ہوتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سختی کے باوجود جہاں نرمی کا حکم ہوتا وہاں نرمی کرتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ جہاں سختی کرنے کا حکم ہوتا نرم طبیعت کے باوجود سختی کرتے۔ جس طرح مانعین زکاة سے جہاد کیا۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام کے تمام اپنے مزاجوں اور طبیعتوں کو بالائے طاق رکھ کر اس پر عمل پیرا ہوتے جس کا شریعت حکم دیتی ہے۔ طبیعت کے دخل کی مزید وضاحت اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ﴾ [النور: ۲]
”جب زانی اور زانیہ کو کوڑے لگاؤ تو اللہ کے دین میں تمہیں ان کے متعلق بالکل بھی نرمی آڑے نہ آئے۔“

انسان عموماً عاشقین پر ترس کھاتا ہے۔ اس شہوت میں تمام لوگ شامل ہوتے ہیں۔ پھر اس شہوت کی طغیانی باقی شہوتوں کی طغیانی سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ بالخصوص جب زانی اور زانیہ کنوارے ہوں۔ اس لیے انسان کے دل میں رحم آ جاتا ہے، مگر شریعت یہاں بالکل بھی رحم کو پسند نہیں کرتی۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے تنبیہ فرمائی کہ رافت سزا دینے میں آڑے نہ آئے۔

بعض سلف کہتے ہیں:

ما امر الله بشيء الا وللشيطان فيه نزغتان:

نزغة إلى تقصير نزغة إلى غلو وافرط .

(اغاثة اللهفان: ۱۳۶/۱)

”اللہ تعالیٰ جو بھی حکم دے شیطان کے اس کے متعلق دو

کاموں پر اکساتا ہے: ایک کمی اور تفریط، دوسرا غلو اور افراط۔“

رحم دل آدمی کو شیطان جہاں غصہ کرنے کی جگہ ہو وہاں رحم پر ابھارتا ہے جو تقصیر ہے، جس کا مزاج سخت ہو اس کو شیطان رحم کی جگہ پر غصہ کرنے پر ابھارتا ہے جو غلو ہے۔ (جاری ہے)

شیخ الحدیث مولانا عبد اللہ امجد چھتوی کے بڑے بھائی کا انتقال

مولانا عبد اللہ امجد چھتوی (شیخ الحدیث دار الدعوة السلفیہ، ستیانہ بنگلہ، ضلع فیصل آباد) کے بڑے بھائی حاجی محمد صدیق ۸۳ سال کی عمر میں ۵ جولائی ۲۰۱۳ء بروز جمعہ المبارک وفات پا گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف حق گو اور صلح جو طبیعت کے مالک تھے اور مدت العمر سے شب زندہ دار تھے۔ موصوف کی نماز جنازہ مولانا عبدالرشید ہزاروی رضی اللہ عنہ (شیخ الحدیث دار الحدیث اوکاڑا) نے پڑھائی۔ جس میں متعدد شیوخ الحدیث، علمائے کرام اور حفاظ عظام نے شرکت کی۔ نماز جنازہ میں ہر مکتب فکر اور معاشرے کے ہر قسم کے لوگ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

انھوں نے بیوہ، ایک بیٹی اور دو بیٹے سو گوار چھوڑے ہیں جو خلف ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کی انسانی ناطے سے لغزشوں کو معاف فرمائے اور حسنات کو شرف قبولیت بخشے ہوئے جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ (شریک غم: محمد حسن سعید، منتظم دارالعلوم تقویۃ الاسلام)

صدقہ و خیرات کے مختلف پہلو

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

ہر انسانی جوڑ کا صدقہ:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں کے ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ تمھارا دو آدمیوں کے درمیان عدل کرنا صدقہ ہے۔ تم آدمی کی اس کی سواری کے سلسلے میں مدد کرو یعنی اسے اس پر سوار کر دو یا اس کے اوپر اس کا سامان رکھو دو تو یہ بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔ ہر وہ قدم جو تم نماز کے لیے اٹھاؤ صدقہ ہے۔ اور تمھارا راستے سے تکلیف دہ چیز کو ختم کر دینا صدقہ ہے۔“

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۷۰۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۰۹)

شرح الحدیث:

انسانی جسم میں جوڑوں کا پایا جانا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس کا شکر ادا کرنا ہر روز لازم ہے۔ انھی جوڑوں کی بنا پر انسان اپنے اعضاء کو مختلف انداز سے حرکت دے کر اپنی ضروریات پوری کرتا ہے۔ اگر یہ جوڑ نہ ہوں یا کسی خرابی کا شکار ہو جائیں تو اعضاء سے اپنی ضرورت اور منشا کے مطابق کام لینا ممکن نہیں رہتا۔ ان جوڑوں کے عوض میں شکر ادا کرنے کی صورتیں بھی شریعت میں بتائی گئی ہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((إنه خلق كل انسان من بني آدم على ستين وثلاثمائة معضل، فمن كبر الله، وحمد الله وهلل الله وسبح الله، واستغفر الله وعزل حجرا عن طريق الناس أو شوكة أو عظما عن طريق الناس أو امر بمعروف أو نهى عن منكر عدد الستين والثلاثمائة فانه

یمسی یومئذ وقد زحزح نفسه عن النار .))

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۷۰۷، صحیح

مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۰۹)

”بنی آدم میں سے ہر انسان کی تخلیق تین سو ساٹھ جوڑوں پر ہوئی ہے، تو جس نے اللہ اکبر کہا، الحمد للہ کہا، لا الہ الا اللہ کہا، سبحان اللہ کہا، اللہ سے استغفار کیا، لوگوں کے راستے سے کوئی پتھر کاٹنا یا ہڈی ہٹا دی، یا کسی نیکی کا حکم دیا یا کسی برائی سے روکا، تین سو ساٹھ کی تعداد میں ایسے کام کرے تو وہ اس دن میں اس حال میں شام کرتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا لیا ہوتا ہے۔“

جدید میڈیکل سائنس میں انسانی جوڑوں اور ہڈیوں کے شعبے Anatomy کے محققین معترف ہیں کہ ایک مکمل انسانی جسم میں ۳۶۰ جوڑ ہوتے ہیں۔ تاہم اطباء کا کہنا ہے کہ ان میں سے ۲۶۵ واضح طور پر محسوس کیے جاتے ہیں جب کہ باقی نمایاں نہیں ہوتے۔ ہر ہڈی اور ہر چھوٹا بڑا جوڑ تقاضا کرتا ہے کہ خالق کا شکر ادا کیا جائے۔ اس سلسلے میں چند آیات قرآنی ملاحظہ کیجیے:

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فَمِ آتِي صُورَةً مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝﴾ [الانفطار: ۶-۸]

”انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کی بابت دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا اور تجھے معتدل بنایا، اس نے جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔“

﴿قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّبْعَ
وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾

[الملک: ۲۳]

”کہہ دیجیے! وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے
کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔“
﴿وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ
شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّبْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [النحل: ۷۸]

”اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس
حال میں نکالا کہ تم کچھ علم نہیں رکھتے تھے۔“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((ان اول يسال العبد عنه يوم القيامة من
النعيم فيقال له: الم نصح لك جسمك
ونروك من الماء البارد.))

(ترمذی، رقم الحديث: ۳۳۵۸)

”بندے سے قیامت کے دن سب سے پہلے نعمتوں کے
بارے میں پوچھا جائے گا، اس سے کہا جائے گا: ہم نے تیرا
جسم صحیح سلامت نہیں بنایا تھا اور تجھے ٹھنڈے پانی سے
سیراب نہیں کیا تھا؟“

نعمتوں کے بارے میں پوچھنے کا بیان ﴿ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ
عَنِ النَّعِيمِ﴾ [التكاثر: ۸] میں بھی کیا گیا ہے۔

ان جوڑوں کے بدلے میں انسان کے ذمے جو شکر اور صدقہ
لازم آتا ہے اس کی ادائیگی نماز اشراق کی دو رکعت سے بھی ہو جاتی
ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

ويجزئ من ذلك ركعتان يركعهما من
الضحى . (صحيح مسلم، رقم الحديث: ۷۲۰)
”ان سب اعمال کی جگہ وہ دو رکعت کفایت کر جاتی ہیں جو
انسان چاشت کے وقت ادا کرتا ہے۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((في الانسان ثلاثمائة وستون مفصلا فعليه
ان يتصدق عن كل مفصل منه بصدقة۔ قالوا
ومن يطيق ذلك يا نبی اللہ؟ قال النخامة في
المسجد تدفنها والشيء تنحيه عن الطريق
فان لم تجد فركعتا الضحى تجزئك .
(ابوداود، رقم الحديث: ۵۲۴۲، مسند أحمد:
۳۵۴/۵)

”انسان میں ۳۶۰ جوڑ ہوتے ہیں، اسے ان تمام جوڑوں کا
صدقہ ادا کرنا چاہیے۔ لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے نبی! اس
کی کون طاقت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد میں
پڑے ہوئے تھوک (وغیرہ) کو صاف کر دینا اور راستے سے
تکلیف دہ چیز ہٹا دینا (صدقہ ہے)۔ اگر تم یہ نہ کر سکتے تو ضحیٰ
(چاشت، اشراق) کی دو رکعت تمہیں کفایت کر جائیں گی۔“
اشراق کی ان دو رکعت کے علاوہ اور بھی کئی اعمال ہیں جو جوڑوں
کا صدقہ بنتے ہیں۔

حدیث زیر بحث میں لوگوں کے درمیان عدل کرنا، کسی کو سواری پر
سوار کر دینا، کسی کو سواری پر اس کا سامان لا دینا، اچھی بات کرنا، نماز
کے لیے چل کر جانا اور راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا مذکور ہے۔
عدل کے ساتھ صلح کروانا:

دو آدمیوں میں عدل کرنا یعنی عدل کے ساتھ ان میں صلح کروا دینا
بھی صدقہ ہے۔ اصلاح بین الناس اگر اللہ کی رضا کے لیے ہو تو
بہت بڑے اجر کا ذریعہ ہے۔ (دیکھیے النساء: ۱۱۴)

اور ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ [النساء: ۱۲۸] ”صلح بہت بہتر
ہے۔“ سے بھی صلح کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ صلح کروانے کا اللہ
تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ [الانفال: ۱]
”اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح کرو۔“

صلح کروانے میں تاخیر اور کوتاہی نہیں کرنی چاہیے نیز صلح کروانے وقت اس بات کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ صلح عدل کے ساتھ کروائی جائے، ورنہ صلح دیر پائیں ہو سکتی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاتَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾ [الحجرات: ۱۰، ۹]

”اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو تم اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ لوٹ آئے تو تم ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور انصاف کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ مومن تو (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں، لہذا تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو، اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

مومنوں میں صلح کروانا نبی اکرم ﷺ کی سنت فعلی بھی ہے۔ آپ ﷺ کو خبر ملی کہ عمرو بن عوف کی اولاد کے درمیان کچھ جھگڑا ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کچھ لوگوں کی معیت میں ان کے درمیان صلح کروانے کے لیے تشریف لے گئے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۶۸۴، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۲۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں صلح کروانا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر اختلافات اور جھگڑے شدت اختیار کر جائیں گے اور معاملہ بہت سنگین ہو جائے گا۔

صلح کی اہمیت و فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صلح کروانے کے لیے جھوٹ بھی بولا جاسکتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((ليس الكذاب الذي يصلح بين الناس فيمني خيرا او يقول خيرا.)) (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۶۹۲، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۰۵)

”وہ شخص قطعاً جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے، پس وہ بھلائی کی بات آگے پہنچاتا ہے یا بھلائی کی بات کہتا ہے۔“

آپ ﷺ نے جنگ، اصلاح بین الناس، مرد کی اپنی بیوی سے اور عورت کی اپنے خاوند سے گفتگو میں جھوٹ کی اجازت دی ہے۔ (صحیح مسلم، ایضاً)

شرح ریاض الصالحین (باب اصلاح بین الناس) میں اس حدیث کی وضاحت میں حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اس حدیث میں ایک نہایت اہم اصول کی نشان دہی کی گئی ہے کہ معاشرتی اصلاح یا خانگی اصلاح یا عام مسلمانوں کے مفاد کے لیے اگر جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش آئے تو، حرام ہونے کے باوجود، ان تینوں مواقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت ہے۔

دو مسلمان بھائی آپس میں لڑے ہوئے ہوں تو ان کے باہم بغض و عناد کو دور کرنے اور انھیں ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے کوئی شخص اپنے طور پر ایک دوسرے کے بارے میں اچھی باتیں پہنچاتا ہے تا کہ وہ صلح کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ لڑائی کے موقع پر دشمن کو اصل صورت حال سے بے خبر رکھنے کے لیے (کہ یہ بھی بعض دفعہ جنگ جیتنے کے لیے ناگزیر ہوتا ہے) جھوٹ بولا جائے۔ اسی طرح گھریلو زندگی کی خوش گواری کے لیے بعض دفعہ خاوند کو بیوی سے یا بیوی کو خاوند سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت لاحق ہو جاتی ہے اور اس کے لیے جھوٹ بولنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شریعت نے اس کی بھی اجازت دے دی ہے۔“

(ص: ۲۳۸، ج: ۲۳۹)

ایک حدیث نبوی میں ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا: الا انبئکم بدرجۃ افضل من الصلاۃ والصیام والصدقة؟ قالوا بلی۔ قال: صلاح ذات البین وفساد ذات البین ہی الحالقة۔ (الادب المفرد از امام بخاری، رقم الحدیث: ۳۹۱)

”کیا میں تمہیں ایسی چیز کی خبر نہ دوں جو نماز، روزہ، صدقہ (زکاۃ) سے افضل ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: آپس میں اصلاح کرنا اور آپس کا بگاڑ تو مونڈنے والا ہے۔“ یعنی دین کو تباہ کرنے والا ہے۔

ایک دن نبی ﷺ حسن رضی اللہ عنہ (نواسے) کو اپنے ساتھ لے کر تشریف لائے۔ جب آپ ﷺ منبر پر چڑھے تو فرمایا:

ان ابنی هذا سيفد، ولعل الله ان يصلح به بين فئتين من المسلمين۔ (صحیح بخاری)

”یہ میرا بیٹا سردار ہے اور یقیناً اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔“

اس حدیث میں پیش کردہ پیش گوئی ۴۱ھ میں پوری ہوئی جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر رفقاء سمیت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے چند شرائط پر صلح کر لی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے انھیں خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا۔

سواری پر بٹھانے میں معاونت کرنا:

کسی شخص کو سواری پر بیٹھنے میں مدد دینا یا اس کا سامان اٹھا کر اس پر رکھوانے میں اس کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔

کسی شخص کو سواری فراہم کر دینا بھی صدقہ ہے۔ زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے باپ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ایک گھوڑا اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے ایک شخص کو دے دیا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ بیچا جا رہا ہے۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

لا تشتتر ولا تعد فی صدقتک۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۶۳۶)

”اسے مت خرید اور نہ اپنا دیا ہوا صدقہ واپس لے۔“

اپنی سواری پر دوسروں کو بٹھانا سواری کا صدقہ ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ ﷺ سے ہجرت کے لیے پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، ہجرت تو بڑا ہی دشوار معاملہ ہے۔ تمہارے پاس اونٹ بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا: اس کا صدقہ بھی دیتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے دریافت کیا: اس میں سے کچھ ہدیہ بھی دیتے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے پھر پوچھا: کیا تم اسے پانی پلانے کے لیے گھاٹ پر لے جانے والے دن دوہتے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا:

فاعمل من وراء البحار فان الله لن يترك من عملك شيئاً۔ (ایضاً، رقم الحدیث: ۲۶۳۳)

”سمندروں کے پار بھی اگر تم عمل کرو گے تو اللہ تمہارے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کرے گا۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

حق الابل حلبها على الماء واعارة دلوها، واعارة فحلها ومنيححتها وحمل عليها في سبيل الله۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۹۸۸)

”اونٹوں کا حق انھیں پانی پلانے والی جگہ پر دوہنا ہے، ان کے دودھ کا ڈول استعمال کے لیے دینا، ان کا فضل (جفتی کے لیے) دینا، انھیں عطیہ کرنا اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے بہ طور سواری پیش کرنا ہے۔“

سواری کے سلسلے میں راہنمائی کرنے والا بھی نیکی میں برابر کا شریک ہے۔ ابو مسعود انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: میری سواری کا جانور ہلاک ہو گیا ہے لہذا آپ مجھے سواری کا جانور دیں۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس نہیں ہے۔ تو ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں اسے ایک ایسا آدمی بتاتا ہوں جو اسے سواری فراہم کر دے گا۔ اس پر اللہ کے

رسول ﷺ نے فرمایا:

من دل علی خیر فله مثل اجر فاعله .

(صحیح مسلم)

”جس شخص نے بھلائی کی راہنمائی کی تو اسے اس بھلائی پر

عمل کرنے والے کے برابر اجر ملے گا۔“

اچھی بات کرنا صدقہ ہے:

اچھی اور پاکیزہ بات سے اطاعت الہی پر مبنی گفتگو مراد ہے۔ اس میں زبان سے ادا ہونے والی تمام نیکیاں شامل ہیں، جیسے سلام کو عام کرنا، بھولے ہوئے شخص کو راستہ بتانا، نصیحت کرنا، گفتگو سے کسی کی وحشت کو اُنس میں تبدیل کرنا، چھینک کا جواب دینا، جو شخص اپنے مدعا کی وضاحت نہ کر سکتا ہو اس کی طرف سے وضاحت کر دینا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، راست گوئی، ذکر الہی وغیرہ۔

انسان جو بھی گفتگو کرتا ہے وہ لکھی جاتی ہے اور اس کی بنا پر اس کا محاسبہ ہوگا۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

وهل یکتب الناس علی مناخرهم فی جہنم الا ما نطقت به السنۃ فمن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیسکت عن شر قولوا خیرا تغنموا واسکتوا عن شر تسلموا . (مسندک حاکم: ۲۸۶/۴، ۲۸۷)

”لوگ اپنی زبانوں کی وجہ سے جہنم میں اوندھے منہ گرائے جائیں گے۔ تو جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اچھی بات کرنی چاہیے یا بری بات کرنے سے خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ اچھی بات کہو فائدے میں رہو گے اور بری بات کہنے سے رک جاؤ سلامتی میں رہو گے۔“

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اتقوا النار ولو بشق تمرۃ فمن لم یجد فبکلمۃ طیبۃ . (صحیح بخاری، رقم الحدیث:

۶۰۲۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۱۶)

”جہنم سے جو خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے (صدقے کے)

ذریعے سے ہی ہو، تو جو یہ نہ پائے وہ اچھی بات کے ذریعے سے بچے۔“

مقدم بن شریح اپنے باپ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! مجھے ایسا عمل بتائیں جو میرے لیے جنت واجب کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

موجب الجنة اطعام الطعام و افشاء السلام و حسن الکلام . (مسندک حاکم: ۱۲۹/۴)

”جنت کو لازم کر دینے والا عمل کھانا کھلانا، سلام عام کرنا اور خوش کلام ہونا ہے۔“

ایک حدیث نبوی ہے کہ جنت میں ایک ایسا بالا خانہ ہے جس کا اندرونی حصہ باہر سے نظر آتا ہے۔ ابو مالک اشعری نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ کسے ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

لمن اطاب الکلام، و اطعم الطعام و بات قائما و الناس نیام .

(ایضاً، مجمع الزوائد: ۲/۲۵۴)

”جو خوش کلام ہے، کھانا کھلاتا ہے اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو وہ تہجد (رات کی نماز) پڑھتا ہے۔“

نماز کے لیے اٹھنے والا ہر قدم صدقہ ہے:

نماز کی ادائیگی کے لیے چل کر جانے والے کا ایک قدم صدقہ شمار ہوتا ہے۔ ایک ایک قدم پر گناہ معاف اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

من تطهر فی بیتہ ثم مضی الی بیت من بیوت اللہ لیقضی فریضۃ من فرائض اللہ کانت خطواتہ احداہما تحط خطیئۃ و الاخری ترفع درجۃ .

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۶۶۶)

”جس نے اپنے گھر میں اچھی طرح طہارت حاصل کی

الحديث: ۵۶۱، ترمذی، رقم الحديث: ۲۲۳
”اندھیروں میں مسجدوں کی طرف چلنے والوں کو قیامت کے دن نورِ تام (مکمل روشنی) کی خوش خبری سنا دو۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

ان الله ليضيء للذين يتخللون الى المساجد
في الظلام بنور ساطع يوم القيامة .

(معجم اوسط طبرانی: ۱/ ۴۶۷)

”ایسے لوگوں کے لیے اللہ قیامت کے دن چڑھتے ہوئے
نور سے روشنی کر دیں گے جو اندھیروں میں مساجد کی طرف
جاتے ہیں۔“

جس طرح مساجد کی طرف جانے کا اجر و ثواب ملتا ہے اسی طرح
نماز کی ادائیگی کے بعد واپسی پر بھی اجر و ثواب دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ
کے رسول ﷺ نے فرمایا:

من راح الى مسجد الجماعة فخطوة تمحو
سيئة وخطوة تكتب له حسنة ذاهبا وراجعا .

(مسند احمد: ۲/ ۱۷۲، صحيح ابن حبان: ۱۳)

(۲۴۳)

”جو شخص جامع مسجد میں جاتا ہے، اس کے جانے اور آنے
کے دوران ایک قدم ایک گناہ ختم کرتا ہے جب کہ دوسرا ایک
نیکی لکھتا ہے۔“

راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے:

لوگوں کو تکلیف اور نقصان سے بچانا بھی نیکی ہے۔ حدیث زیر
بحث میں راستے سے تکلیف دہ چیز (پتھر، کاٹا، ہڈی، ٹہنی وغیرہ)
ہٹانے کو صدقہ قرار دیا گیا ہے۔ بعض احادیث میں اس عمل کو ایمان کی
شاخ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:

الايمان بضع وستون او بضع وسبعون
شعبة اعلاها قول: لا اله الا الله وادناها
اماطة الاذى عن الطريق . (صحيح بخاري،

(وضو وغیرہ کیا) پھر وہ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر
(مسجد) میں گیا تا کہ وہ اللہ کے فرائض میں سے کوئی فریضہ
ادا کرے تو اس کے قدم اس طرح ہوں گے کہ ایک قدم گناہ
کو مٹائے گا اور دوسرا قدم درجہ بلند کرے گا۔“

بعض احادیث میں کثرة الخطا الى المساجد کے الفاظ
ہیں، یعنی جو مسجدوں کی طرف کثرت سے قدم اٹھاتا ہے اس کی
خطائیں معاف ہوتی ہیں اور درجے بلند ہوتے ہیں۔

(دیکھیے صحیح مسلم، رقم الحديث: ۲۵۱)

ایک اور حدیث نبوی میں ہے:

ان اعظم الناس اجرا في الصلاة ابعدهم
اليها ممشي، فابعدهم .

”نماز کا سب سے زیادہ اجر اس شخص کو ملتا ہے جو زیادہ دور
سے چل کر آتا ہے پھر وہ جو اس سے بھی زیادہ دور سے آتا
ہے۔“

بنی سلمہ نے جب مسجد نبوی کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا تو

آپ ﷺ نے فرمایا:

بنی سلمة دياركم تكتب اثاركم دياركم

تكتب اثاركم إلخ (صحيح بخاري، رقم

الحديث: ۶۵۵، صحيح مسلم، رقم الحديث:

(۶۶۵)

یعنی بنی سلمہ! تم اپنے گھروں میں رہو، تمہارے قدموں کے
نشانات لکھے جاتے ہیں۔ اپنے گھروں میں ہی رہو تمہارے
نشانات قدم لکھے جاتے ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا: ہمیں
پسند نہیں کہ ہم (مسجد کے قریب) منتقل ہوں۔

اندھیرے میں مسجد کی طرف جانے کا بھی بہت زیادہ اجر و ثواب

ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:

بشروا المشائين في الظلم الى المساجد

بالنور التام يوم القيامة . (ابوداود، رقم

رقم الحديث : ۹، صحيح مسلم، رقم الحديث :

(۳۵)

”ایمان کی ساٹھ یا ستر سے زائد شاخیں ہیں، ان میں سب سے بلند لا الہ الا اللہ کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔“

راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا امت کے محاسن اعمال میں سے ہے۔ (صحیح مسلم)

یہ عمل نیکی کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔

(صحیح ابن حبان: ۶۰۸۵، السنن الکبریٰ: ۲۹۱/۲)

رفاء عامہ کے اس کام کی اس قدر فضیلت ہے کہ اللہ کے

رسول ﷺ فرماتے ہیں:

بینما رجل یمشی بطریق وجد غصن شوك

على الطريق فاخره فشكر الله له فغفر له .

(صحیح بخاری، رقم الحديث : ۲۴۷۲، صحیح

مسلم، رقم الحديث : ۱۹۱۴، ترمذی : ۱۹۵۸)

”ایک دفعہ ایک آدمی راستے پر جا رہا تھا کہ اس نے ایک

کانٹے دار ٹہنی دیکھی، اس نے اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اللہ نے

اس کی قدر کی اور اسے بخش دیا۔“

ایک اور روایت میں ہے، نبی ﷺ فرماتے ہیں:

لقد رایت یتقلب فی الجنة فی شجرة قطعها

من ظهر الطريق كانت تؤذى المسلمين .

”میں نے ایک آدمی کو جنت میں ٹہلتے دیکھا، اس نے اس

درخت کو کاٹ دیا تھا جو راستے کے درمیان میں تھا، وہ

مسلمانوں کو تکلیف دیتا تھا۔“

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

مر رجل بغض شجرة على ظهر طريق فقال:

والله لأنحین هذا عن المسلمين لا يؤذيه

فادخل الجنة . (صحیح مسلم، رقم الحديث :

(۱۹۱۴، ۲۶۱۷)

”ایک آدمی ایک درخت کی ٹہنی کے پاس سے گزر رہا جو راستے

کے درمیان میں تھی۔ اس نے (اپنے دل میں) کہا: اللہ کی

قسم! میں اسے مسلمانوں سے دور کر دوں گا، وہ انھیں اذیت

نہیں دے گی، لہذا وہ شخص جنت میں داخل کر دیا گیا۔“

ایک روایت میں اس شخص کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

لم يعمل خيرا قط .

(ابوداؤد، رقم الحديث : ۵۲۴۵)

”اس نے کبھی کوئی نیکی کا کام نہیں کیا تھا۔“

مذکورہ بالا احادیث اور حدیث زیر بحث میں راستے کی نوعیت کا

تعیین نہیں کیا گیا۔ لہذا اس سے کھلا، تنگ، دور، نزدیک، مسلمانوں کے

راستے وغیرہ سب کو شامل ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ فضیلت لوگوں

کے راستے سے حسی تکلیف دہ چیز کو دور کرنے کی ہے۔ آپ کا اس

ثواب کے متعلق کیا خیال ہے جو ان کے معنوی راستے سے تکلیف

واذیت ختم کرنے پر مترتب ہوتا ہے۔ یعنی وہ بدعات و خرافات،

منکرات اور گمراہیاں جو لوگوں کے راستوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کا

اجر زیادہ ہے، کیونکہ اس میں دین و بدن دونوں کی اصلاح ہے نہ کہ

صرف بدن کی۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے تکلیف دہ چیز کا حجم اور

مقدار بھی بیان نہیں کیا۔ لہذا آپ ﷺ کا کلام چھوٹی بڑی اور ہر اُس

ضرر رساں چیز کو شامل ہے جو لوگوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ (دیکھیے صحیح

فضائل اعمال ماخوذ از کتب علامہ ناصر الدین البانی، مکتبہ بیت السلام، لاہور)

خلاصہ کلام اور حدیث سے مستفاد باتیں:

۱: دین اسلام صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ یہ خدمت انسانی

کے سلسلے میں معاشرتی ہدایات بھی دیتا ہے۔

۲: انسان شرعی احکام کو ماننے کے لیے مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔

۳: حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ ان کی بتائی ہوئی

وہ معلومات جن کے جاننے کا آپ کے زمانے میں کوئی مادی

ذریعہ نہیں تھا، آج بھی جدید ذرائع سے سچ ثابت ہو رہی ہیں۔

- ۴: انسانی جسم میں پائے جانے والے چھوٹے بڑے جوڑا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔
- ۵: ایک مکمل انسانی جسم میں ۳۶۰ جوڑے ہوتے ہیں۔
- ۶: انسان پر لازم ہے کہ وہ ان جوڑوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ہر روز شکر ادا کرے۔
- ۷: اشراق کی دو رکعتیں بھی جوڑوں کے صدقے کے لیے کفایت کر جاتی ہیں۔
- ۸: نوافل کو روزانہ کے معمول میں شامل کرنا مستحب ہے۔
- ۹: اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فضل و احسان ہے کہ اس نے اعمال کے فضائل بیان کیے ہیں۔
- ۱۰: صدقہ مال و دولت میں ہی منحصر نہیں بلکہ نیک اعمال کو بھی صدقہ شمار کیا گیا ہے۔
- ۱۱: مساجد کی آباد کاری اور انھیں پاک صاف رکھنا بھی صدقہ ہے۔
- ۱۲: مومنوں کے باہمی لڑائی جھگڑوں کو تماشا نہیں بنانا چاہیے بلکہ ان میں عدل کے ساتھ صلح کروانی چاہیے تاکہ فساد نہ ہو اور مسلمانوں کی باہمی اخوت مضبوط ہو جائے۔
- ۱۳: صلح کروانے کے لیے اگر جھوٹ کا سہارا لیا جائے تو بھی جائز ہے۔
- ۱۴: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جن دو گروہوں میں مصالحت کروائی تھی وہ دونوں مسلمانوں کے گروہ تھے۔ (اس صلح پر نبی اکرم ﷺ کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی۔)
- ۱۵: حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عالم اسلام کے یکتا و تنہا اور متفق علیہ خلیفہ تسلیم کر لیے گئے۔
- ۱۶: مسلمانوں کا سہارا بننا اور سواری وغیرہ کے سلسلے میں ان کی معاونت کرنا صدقہ ہے۔
- ۱۷: صدقہ دے کر واپس لینا یا اسے خریدنا جائز نہیں۔
- ۱۸: کسی کو سواری عاریتاً دینا یا اسے اپنی سواری پر سوار کر لینا بھی صدقہ ہے۔

- ۱۹: اچھی بات کرنا بھی صدقہ ہے۔ (جہاں بولنے کی ضرورت ہو وہاں خاموش رہنا پسندیدہ نہیں۔)
- ۲۰: خوش کلامی جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کرتی ہے۔
- ۲۱: نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے چل کر جانا صدقہ ہے۔ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں۔
- ۲۲: جسے مسجد دور پڑتی ہو اُسے اسی قدر نماز باجماعت کا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ (تاہم اگر مسجد سے دوری کی بنا پر نماز باجماعت چھوٹ جاتی ہو تو مسجد کے قریب منتقل ہونا بہتر ہے۔)
- ۲۳: اندھیرے کے باوجود نماز باجماعت ادا کرنا باعث فضیلت ہے۔ اس کا اہتمام کرنے والوں کو قیامت کے دن نور عطا کیا جائے گا۔
- ۲۴: رفہ عامہ کے کام جیسے سڑکیں بنانا، پل تعمیر کرنا، راستوں کو صاف رکھنا، بلا ضرورت رکاوٹوں کا ازالہ کرنا وغیرہ کام بھی صدقہ شمار ہوتے ہیں۔ (البتہ جو لوگ مومن نہیں ہیں انھیں ان اعمال کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔)
- ۲۵: راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کا ازالہ ایمان کی ایک شاخ ہے۔ (لوگوں کی گزر رگا ہوں پر نقصان دہ اشیاء پھینکنا ایمان کے تقاضوں کے منافی ہے۔)
- ۲۶: بعض اوقات بظاہر معمولی عمل بھی انسان کی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ (پاکیزہ جذبات اور خلوص کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔)
- ۲۷: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا قدر دان ہے۔ وہ انھیں ان کے اعمال کا بہتر بدلہ عطا کرتا ہے۔
- ۲۸: دنیوی معاملات کو دین کی روشنی میں حل کرنا چاہیے۔
- ۲۹: انسانی جسم کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے اپنے آپ کو اور دوسرے لوگوں کو بھی بچانا چاہیے۔
- ۳۰: جس طرح بدن کو نقصان پہنچانے والی اشیاء سے بدن کو بچانا ضروری ہے اسی طرح دین کو نقصان پہنچانے والے امور سے دین کو بچانا بھی ضروری ہے۔

کیا رمضان میں تمام شیاطین قید ہوتے ہیں؟

یعقوب محمود، لاہور

دلائل:

۱: ہمیں تو شیطان نے گمراہ کیا تو شیطان کو کس نے گمراہ کیا؟ شیطان کو اُس کے اپنے نفس نے ہی گمراہ کیا۔ معلوم ہوا کہ آدمی کا نفس شیطان سے بھی بڑا دشمن ہے۔

۲: سب سے پہلا قتل بھی نفس کی وجہ سے ہوا۔ سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے ہابیل اور قابیل کے واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو قابیل کو قتل پر آمادہ شیطان نے نہیں بلکہ اُس کے نفس نے کیا تھا۔ قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں:

﴿فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ﴾ [المائدہ: ۳۰]

”اُس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کیا۔“

۳: حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینک کر عشاء کے وقت اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لے آئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ میرے بیٹے جھوٹ بول رہے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس پر اس انداز میں تبصرہ کیا:

﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَوِيلٌ﴾

[یوسف: ۱۸]

”یعقوب نے کہا کہ بلکہ تمہارے نفسوں نے یہ کام تمہاری نظروں میں مزین کر کے دکھایا ہے۔“

معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو شیطان کے ساتھ ساتھ اُن کے نفسوں نے بھی گمراہ کیا تھا۔

۴: سورۃ یوسف میں تیرہویں سپارے کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قول کا ذکر کیا ہے، فرمایا:

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا جاء

رمضان فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب

النار وصفدت الشیاطین . (صحیح مسلم)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول

دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے

ہیں اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے ہیں۔“

تشریح:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب رمضان آتا ہے تو شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ اور صحیح مسلم کی دوسری روایت میں سلسلت الشیاطین کے الفاظ ہیں۔ مفہوم اور معنی ایک ہی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شیاطین کو قید کرنا حقیقت ہے مجاز نہیں ہے۔ اور ایک روایت میں مردۃ الشیاطین یعنی سرکش شیاطین کے الفاظ ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رمضان المبارک میں شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے تو ہم گناہ کیوں کرتے ہیں؟

اس سوال کے دو جواب ہیں:

۱: پہلا جواب یہ ہے کہ گناہ صرف شیاطین کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ہمارے نفس کی وجہ سے بھی ہوتے ہیں۔

جب رمضان المبارک آتا ہے تو شیاطین تو قید کر دیے جاتے ہیں

جب کہ ہمارا نفس آزاد ہوتا ہے جو ہمیں گناہ پر اکساتا ہے۔ اور ہمارا

نفس ہمیں گمراہ کرتا ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

کے دن تک مجھے مہلت دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے وقت معین تک مہلت ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ شیطان قیامت تک زندہ رہے گا اور اُس کو گمراہ کرنے کی مہلت دی گئی ہے، چنانچہ رمضان المبارک میں ابلیس کا قید ہو جانا اسی مہلت کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے دی ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

﴿وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَ آءَاتِ الْفِتْنَةِ نَكَصَ عَلَى عَقَبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ٥﴾ [الانفال: ٤٨]

”اور جب شیطان نے اُن کے اعمال اُن کی نظروں میں عمدہ کر دکھائے اور کہا کہ آج تم پر کوئی غالب نہ آئے گا اور یہ کہ میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو اُلٹے پاؤں پھرتا ہوا کہتا گیا کہ میں تم لوگوں سے بیزار ہوں کیونکہ میں ایسی چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔“

سورۃ الانفال میں جنگ بدر کا تذکرہ ہے اور یہ سب آیات جنگ بدر کے پس منظر میں نازل ہوئیں۔ اور یہ حق و باطل کا پہلا معرکہ ۲ ہجری ۷ رمضان المبارک کو پیش آیا۔ جنگ بدر میں شیطان سراقہ بن مالک کی شکل میں آیا اور مشرکین مکہ کو یقین دلایے لگا کہ تم ہی کامیاب ہو گے لیکن جب شیطان نے فرشتوں کو اترتے دیکھا تو پیٹھ دکھلا کر بھاگ گیا۔ اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ رمضان المبارک میں ابلیس قید نہیں ہوتا بلکہ آزاد رہتا ہے۔

حدیث پاک سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں کچھ شیاطین آزاد ہوتے ہیں، صحیح بخاری میں ہے:

”نبی کریم ﷺ مسجد میں اعتکاف میں تھے۔ آپ کے پاس

﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ٥﴾ [یوسف: ٥٣]

”اور میں تو اپنے نفس کو پاک نہیں کہہ سکتا کیونکہ نفس تو ہر آن گناہوں پر ابھارتا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو گناہوں کا حکم دینے والا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفس کا حکم ماننا اللہ تعالیٰ کے رحم نہ ہونے کی دلیل ہے۔

۵: نبی کریم ﷺ اپنے ہر خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے:

((نعوذ بالله من شرور انفسنا.))

”اے اللہ! ہم نفسوں کی شرارتوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔“

ان تمام دلائل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ گناہ صرف شیطان نہیں کرواتا بلکہ انسان کا نفس خود بھی گناہوں کو مزین کر کے دکھلاتا ہے۔ رمضان المبارک میں شیاطین تو قید ہو جاتے ہیں مگر نفس انسانی قید نہیں ہوتا ہے۔ ویسے بھی گیارہ مہینے شیطان ہمارے ساتھ ہوتا ہے تو اس ایک مہینے میں اسی معیت کا اثر باقی رہتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ سب شیاطین قید نہیں ہوتے بلکہ کچھ شیاطین قید ہوتے ہیں۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱: ابلیس یا آدم علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والا شیطان آزاد ہی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ٥ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ٥﴾ [الأعراف: ١٥، ١٤]

”وہ شیطان کہنے لگا مجھ کو مہلت دے قیامت کے دن تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا تجھ کو مہلت دی گئی۔“

اور اسی طرح سورۃ الحج میں ہے:

﴿قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ٥ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ٥ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ٥﴾

[الحجر: ۳۶-۳۸]

یعنی شیطان نے کہا کہ اے میرے رب! بندوں کے اٹھنے

ازواج مطہرات بیٹھی تھیں جب وہ چلے گئیں تو آپ نے صفیہ بنت حبی سے فرمایا کہ جلدی نہ کریں تمہیں چھوڑنے چلتا ہوں۔ اُن کا حجرہ دارِ اُسامہ میں تھا۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ اُن کے ساتھ نکلے تو دو انصاری صحابیوں سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ ان دونوں حضرات نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا اور جلدی سے آگے بڑھ جانا چاہا۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو! دھر سنو۔ یہ صفیہ بنت حبی رضی اللہ عنہا ہیں (جو میری بیوی ہیں) ان حضرات نے عرض کی سبحان اللہ (یا رسول اللہ ﷺ!) (یعنی کیا ہم آپ کے بارے میں بدگمانی کریں گے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور مجھے خطرہ یہ ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں میرے بارے میں کوئی بری بات نہ ڈال دے۔“

وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ ﷺ حالت اعتکاف میں یہ فرما رہے ہیں کہ مجھے شیطان سے خطرہ ہے کہ کہیں وہ میرے بارے میں تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ پیدا کر دے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ رمضان کا مہینا ہی تھا۔ اگر شیطان قید ہوتا تو آپ ﷺ اس خدشے کا اظہار نہ فرماتے۔

صحیح بخاری میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے رمضان کی زکاۃ یعنی صدقہ فطر کی حفاظت پر مقرر فرمایا۔ (رات میں) اچانک ایک شخص میرے پاس آیا اور غلہ میں سے لپ بھر بھر کر اُٹھانے لگا میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا کہ قسم اللہ کی میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلوں گا۔ اِس پر اُس نے کہا کہ اللہ کی قسم میں بہت محتاج ہوں میرے بال بچے ہیں اور میں سخت ضرورت مند ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اُس کے اظہار معذرت پر اُس کو چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! گزشتہ رات تمہارے قیدی

نے کیا کیا تھا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اُس نے سخت ضرورت اور بال بچوں کا رونا رویا۔ اِس لیے مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تجھ سے جھوٹ بول کر گیا ہے۔ ابھی وہ پھر آئے گا۔ رسول کریم ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے مجھے یقین تھا کہ وہ پھر ضرور آئے گا۔ اِس لیے میں اُس کی تاک میں لگا رہا اور جب وہ دوسری رات آ کے پھر غلہ اُٹھانے لگا تو میں نے پھر اُس کو پکڑ لیا۔ اور کہا میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کروں گا لیکن اب بھی اُس کی یہی التجا تھی کہ مجھے چھوڑ دے، میں محتاج ہوں، بال بچوں کا بوجھ میرے سر پر ہے اب میں کبھی نہیں آؤں گا۔ مجھے رحم آ گیا اور میں نے پھر اُس کو چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! تمہارے قیدی نے کیا کیا۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ اُس نے پھر اُسی سخت ضرورت اور بال بچوں کا رونا رویا جس پر مجھے رحم آ گیا۔ اِس لیے میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ آپ نے اِس مرتبہ بھی یہی بتلایا کہ وہ تم سے جھوٹ بول گیا ہے۔ وہ پھر آئے گا۔ تیسری مرتبہ پھر میں اُس کے انتظار میں تھا اُس نے پھر تیسری رات آ کر غلہ اُٹھانا شروع کیا تو میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا کہ اب تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچانا ضروری ہو گیا ہے۔ یہ تیسرا موقع ہے ہر مرتبہ تم یقین دلاتے رہے کہ پھر نہیں آؤ گے۔ لیکن تم باز نہیں آئے۔ اُس نے کہا اس مرتبہ مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں ایسے چند کلمات سکھا دوں گا جس سے اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ پہنچائے گا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کلمات کیا ہیں تو اُس نے کہا کہ جب تم بستر پر لیٹنے لگو تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔ ایک نگران فرشتہ اللہ کی طرف سے برابر تمہاری حفاظت کرتا رہے گا۔ اور صبح تک شیطان تمہارے پاس کبھی نہیں آ سکے گا۔ اس مرتبہ بھی میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

شیطان تھا۔ اور وہ رمضان المبارک میں بھی اپنی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔

اشکال:

ممکن ہے کہ فطرانے پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رمضان المبارک کے بعد مقرر کیے گئے ہوں۔

جواب:

ہم سب کو یہ مسئلہ معلوم ہے کہ صدقہ فطر عید کی نماز پڑھنے سے پہلے ادا کرنا چاہیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ فطرانہ رمضان کے آغاز کے بعد اور عید الفطر کی رات سے پہلے دے دیا ہوگا، اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی نگرانی پر مامور ہوئے۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وفیه جواز جمع زکاة الفطر قبل لیلة الفطر .
یعنی اس حدیث میں صدقہ فطر عید کی رات سے پہلے جمع کرنے کا جواز ہے۔

اس لیے مندرجہ بالا اشکال باقی نہیں رہتا۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ گزشتہ رات تمہارے قیدی نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اُس نے مجھے چند کلمات سکھائے اور یقین دلایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے مجھے فائدہ پہنچائے گا۔ اس لیے میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ وہ کلمات کیا تھے؟ میں نے عرض کیا: اُس نے بتایا تھا کہ جب تم بستر پر لیٹو تو آیت الکرسی پڑھ لو تو شیطان تمہارے قریب نہیں آ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر ایک فرشتہ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیر کو سب سے بڑھ کر لینے والے تھے۔ آپ نے فرمایا بندہ جھوٹا ہے لیکن تم سے یہ بات سچ کر گیا ہے اور اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ قیدی کون تھا؟ یہ قیدی شیطان تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صدقہ فطر کی حفاظت پر مامور تھے اور صدقہ فطر کا تعلق رمضان المبارک اور قبل عید سے ہے۔ گویا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں جو لوگ صدقہ فطر دیتے تھے اُس کی دیکھ بھال پر مقرر تھے۔ اور اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آنے والا

ضرورتِ رشتہ

①..... لڑکا عمر تقریباً ۲۴ برس، قوم رحمانی، تعلیم B.B.H، حافظ قرآن، طبیبہ کالج کورس، موبی لنک ملازم کے لیے ایم اے تعلیم تک کی خوب صورت و سیرت اہل حدیث لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ والدین صرف لاہور سے رابطہ کریں۔ (فون نمبر: 0301-4678065)

②..... لڑکا عمر تقریباً ۲۳ برس، قومی رحمانی، سعودی عرب میں ملازم کے لیے خوب صورت و خوب سیرت لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ بذریعہ خط کتابت رابطہ کریں۔ لاہور یا قرب وجوار کو ترجیح دی جائے گی۔

C/o) محمد سلیم چنیوٹی، دفتر ہفت روزہ الاعتصام
۳۱- شیش محل روڈ، لاہور۔ فون: 0333-4611619

ضرورتِ باورچی و خادم مسجد

جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ کے لیے ایک سلفی العقیدہ، بارلش باورچی کی ضرورت ہے۔ سابقہ فوجی کو ترجیح دی جائے گی۔
نیز ایک مسجد خادم کی بھی ضرورت ہے۔
احباب جلد رابطہ کریں۔ تنخواہ حسب لیاقت۔
رابطہ کر کے تشریف لائیں۔

(حافظ) عبد الرحمن

ناظم جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ

فون نمبر: 0300-6161913

انتظامیہ کے اوصاف (خلافت راشدہ کی روشنی میں)

عطاء محمد جنوعہ

اور داخلی استحکام کا قیام ناممکن ہے۔ امام کائنات ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور کے راہنما اصول ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ اہل افراد کا انتخاب:

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾

[النساء: ۵۸]

”بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اہلیت رکھنے والوں کے سپرد کرو۔“

حکومت کے عہدے قومی امانت ہیں ان کو اہل تر لوگوں کے سپرد کرنا صاحب اختیار پر لازم ہے۔ مخبر صادق ﷺ نے نا اہل لوگوں کو امانت دینے سے منع فرمایا:

”ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے ایک اعرابی نے پوچھا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ نے جواب میں فرمایا: جب امانت کو ضائع کر دیا جائے گا تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانت کس طرح ضائع ہوگی؟ فرمایا: جب عہدے نا اہلوں کے سپرد کر دیے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔“

(صحیح بخاری)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کس طرح جوہر شناسی سے منصب کے اہل کا انتخاب کرتے تھے۔ تاریخ سے دو مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے گھوڑے کا بھاؤ کیا اور طے شدہ دام دینے سے قبل اس پر سوار ہوئے تاکہ اس کو آزما کر دیکھیں کہ

حکومت کی عمدہ کارکردگی کا انحصار انتظامیہ کا مرہون منت ہے۔ معاشرہ میں عدل و انصاف کی فراہمی اور فلاح و بہبود کے لیے معیاری قانون نافذ ہوں جب تک سرکاری عہدے دار اور کارندے فرض شناس، امانت دار اور ماہر نہ ہوں گے اُس وقت تک حوصلہ افزاء نتائج برآ نہیں ہو سکتے۔

قرونِ اولیٰ میں مقامی، صوبائی عمال بیت المال کے امین غریبوں کے لیے ہمدرد اور مظلوموں کے محافظ تھے۔ لیکن ظالم لٹیروں کے سروں پر لگتی ہوئی تلوار تھے۔ اس بنا پر داخلی سطح پر ملک میں امن و استحکام نصیب تھا اور دیارِ غیر میں اُن کا رعب و بدبہ اس قدر تھا کہ دشمن ان کا نام سن کر تھر تھرا کاٹتے تھے۔

انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط جمایا تو انتظامیہ کے اعلیٰ عہدوں پر خود فائز ہوتے تھے۔ اور محکوم رعایا پر رعب و بدبہ قائم کرنے کے لیے وسیع و عریض بلند و بالا کوٹھیوں میں رہائش پذیر ہوتے تھے۔ جب کہ عام ملازمین جو مقامی ہوتے اُن کے لیے معمولی مشاہرہ مقرر تھا لامحالہ اُن میں حرص کی آگ بھڑک اٹھی۔ انھوں نے رشوت اور بد عنوانی کی روش اختیار کر لی۔ سامراجی رخصت ہو گئے مگر انتظامیہ کا قبلہ درست نہ ہوا۔ آج ادنیٰ ملازم افسر کے کمرے میں داخلے کی فیس طلب کر کے شرم محسوس نہیں کرتا جب کہ عوامی و سرکاری حکام بالا قومی ترقیاتی منصوبوں اور بین الاقوامی تجارتی معاہدوں کے دوران ملین کے حساب سے کمیشن وصول کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مخلص ذہین ملی جذبہ سے سرشار انتظامیہ کے بغیر سیاسی یک جہتی معاشی خوش حالی

چناؤ کرتے۔

عصر حاضر میں سیاسی وابستگی، اقربا پروری یا وائٹ ہاؤس کے اشارے پر کسی کو ہم عہدے نہ دیے جائیں بلکہ اس عہدے کی مناسبت سے اہلیت و قابلیت کے مطابق ذمہ داری سونپی جائے۔

اسلام دین و دنیا کی امامت کی ایک جائی کا درس دیتا ہے۔ سید الکونین ؑ جب کسی کو امیر مقرر فرماتے تو اسے انتظامی امور کے علاوہ امامت کرانے کا فریضہ بھی سونپتے تھے تاکہ مذہب و سیاست کی تفریق نہ رہے۔ مسجد میں نماز کے دوران عوام اور حکام رابطے میں رہتے۔ اس بنا پر حکام کو من مانی کارروائی کرنے کی جرأت نہ ہوتی اور عوام فرائض کی ادائیگی میں غفلت نہ کرتے تھے۔

⑤ قصبہ کی امارت سے مرکزی و صوبائی امارت تک ایسے افراد کی تعیناتی کو ترجیح دی جائے جن کے تقویٰ و طہارت فکر کا یہ عالم ہو کہ مسجد میں جائے تو حاضرین اُن کی قیادت کو سعادت سمجھیں جب کہ انتظامی عہدے پر فائز ہو تو اس کو احسن طریقے سے انجام دے سکے۔

⑥ سرکاری و نیم سرکاری ملازمین سے اقامت صلاۃ پر عمل درآمد کرایا جائے۔ غفلت کی صورت میں سختی سے نوٹس لیا جائے۔

⑦ محکمانہ قابلیت و اہلیت کے علاوہ ادنیٰ ملازمت کے لیے قرآن خوانی اور اعلیٰ عہدے کے لیے قرآن فہمی اور سیرت طیبہ سے آگاہی کو انٹرویو میں شامل کیا جائے۔

⑧ موجودہ ادنیٰ و اعلیٰ ملازمین کو چالیس دن کے لیے ہمہ وقتی فنی تربیت اور اسلامی تعلیم و تربیت کا کورس کرایا جائے جہاں انھیں اقامت صلاۃ، فرض شناسی، کسب حلال، مکارم اخلاق اور فکر آخرت پر درس دیے جائیں۔

⑨ ملازمت کے حصول کے لیے ہر قسم کا کوٹہ سسٹم ختم کیا جائے۔ عمومی و فنی تعلیم اور اعلیٰ کردار کو میرٹ کا معیار بنایا جائے۔

⑩ خلفائے راشدین کے دور میں تقرری کے وقت عاملوں کے مال

گھوڑے کی چال اور حیثیت کیا ہے؟ تھوڑی دیر میں گھوڑا تھک کر درماندہ ہو گیا اور کچھ چوٹ کھا کر داغ دار ہو گیا۔ حضرت عمر ؓ نے گھوڑے کے مالک سے کہا کہ تم اسے لے جاؤ ایسے گھوڑے کی ہمیں ضرورت نہیں تھی جو اتنی جلدی تھک ہار جائے۔ اس نے کہا نہیں میں تو آپ سے دام لوں گا۔ گھوڑے کا معاملہ آپ سے طے ہو چکا ہے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: تو پھر کسی کو ثالث بناؤ وہ جو فیصلہ کرے ہم دونوں اس کو مان لیں۔ اس نے کہا تو پھر شریح کو قاضی مان لیجیے۔ حضرت عمر ؓ نے تسلیم کر لیا۔ جب معاملہ حضرت شریح کے سامنے پیش ہوا تو حضرت شریح نے کہا یا تو ان داموں میں آپ لے لیجیے جتنے داموں میں آپ نے خریدا تھا یا جس طرح تازہ دم اور بے عیب تھا اسی طرح واپس کر دیجیے۔ حضرت عمر ؓ نے اس فیصلے کو بے حد پسند کیا اور اسے منصفانہ فیصلہ قرار دیا۔ اس وقت آپ کو خیال ہوا کہ ایسے منصف اور سمجھ دار شخص کو جو کسی کی رورعایت نہ کرے قاضی بنانا چاہیے۔ چنانچہ اُن سے اسی وقت کہا کہ آپ کو میں نے کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ کوفہ تشریف لے جا کر اپنے فرائض منصبی کو انجام دیجیے۔

(ایام خلافت راشدہ از عبد الرؤف رحمانی، ص: ۲۸۲)

۲: عبد اللہ بن ارقم ؓ ایک معزز صحابی تھے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔ آپ نے فرمایا: اس کا جواب کون لکھے گا۔ عبد اللہ بن ارقم ؓ نے عرض کی کہ ”میں“ یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔ آنحضرت ﷺ نے سنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمر ؓ بھی موجود تھے ان کی اس قابلیت پر اُن کو خاص خیال ہوا یہ اثر اُن کے دل پر ہمیشہ رہا یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو اُن کو میرٹشی مقرر کیا۔ (الفاروق از علامہ شبلی، ص: ۱۷۴)

جو عہدہ کی خواہش کرتا حضرت عمر ؓ امانت اُس کے سپرد نہ کرتے بلکہ آپ امور حکومت کے لیے قابل اور باصلاحیت افراد کا

کھال، کھوٹی میں پانی کے مشکیزے۔ یہ تھا زہد و قناعت کی تعلیم کے ساتھ اس پر آپ ﷺ کا عمل۔“

(خطبات مدراس، ص: ۱۱۳)

سید الکونین ﷺ کی تربیت کی اثر پذیری کا ثمر تھا کہ خلفائے راشدین نے سادگی و قناعت کی زندگی بسر کی۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی ہذیل رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے حضرت علی رحمہ اللہ کو اس حال میں دیکھا کہ اُن کے بدن پر ایک موٹا کرتا تھا جو پرانا ہونے کے ساتھ اس قدر تنگ اور چھوٹا تھا کہ آستین کھینچتے تو ناخن تک پہنچ جاتا اور جب چھوڑتے تو آدھے بازو تک جا پہنچتا۔ (ایام خلافت راشدہ از عبدالرؤف رحمانی، ص: ۹۰)

حضرت عمر فاروق رحمہ اللہ نے ایران کو فتح کیا اور روم میں محاذ آرائی کی تو شام پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ حضرت حسن رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے زمانہ خلافت میں حضرت عمر رحمہ اللہ کو خطبہ کی حالت میں دیکھا کہ وہ جس تہ بند کو زیب تن فرمائے ہوئے تھے اس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ (ایضاً، ص: ۸۶)

حضرت عمر فاروق رحمہ اللہ کے دور میں ہر عامل (گورنر) سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔

گورنر صاحبان اس عہد نامے پر عمل کرتے رہے جو گورنر خلاف ورزی کرتا حضرت عمر رحمہ اللہ اس سے باز پرس کرتے تھے۔

موجودہ دور میں اس کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب عہد لیا جائے اور پھر اس پر عمل داری کے لیے کڑی نگرانی کی جائے تاکہ بدعنوانی کی جڑ کٹ جائے اور عوام امن و امان کی زندگی بسر کر سکیں۔

مثیل مشہور ہے کہ عوام بادشاہوں کے مذہب پر ہوتے ہیں۔ جب ضلعی افسران بود و باش میں سادگی اپنائیں گے تو عوام بھی کفایت شعاری اختیار کریں گے۔

اسباب کی فہرست تیار کی جاتی جب کسی وجہ سے عہدے سے فارغ ہو جاتے تو تحقیق کی جاتی کہ عامل نے عوام پر ظلم سے دولت اکٹھی نہ کی ہو یا بیت المال سے خیانت تو نہیں کی۔ اس اصول پر عمل کیا جائے۔

○ مختلف محکموں کے ضلعی سربراہ ہفتے میں ایک دن جگہ کی تبدیلی کر کے دربار عام منعقد کریں۔ مظلوم لوگوں کے مسائل غور سے سن کر داد رسی کی جائے۔ شکایت غلط ثابت ہونے پر مدعی کو مناسب سزا دی جائے۔ اہل کار کے خلاف درخواست حقیقت پر مبنی ہو تو راشی اور بدعنوان اہل کاروں کو موقع پر مناسب سزا دی جائے اور یوم آزادی پر مخلص افسران کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

○ حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے حضرت عمر فاروق رحمہ اللہ کو مشورہ دیا کہ عاملوں کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کیجیے تاکہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہوں پائیں۔ حضرت عمر رحمہ اللہ نے اس پر عمل کیا اور موجودہ مہنگائی کے دور میں اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

○ مادہ پرستی کی دوڑ کو لگام دینے کے لیے سادگی اور کفایت شعاری کو فروغ دیا جائے۔ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے تاج دار مدینہ ﷺ کی قناعت کا تذکرہ فرمایا ہے:

”ایک دفعہ کچھ جاں نثار ملنے آئے تو دیکھا کہ پہلو میں چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم لوگ ایک نرم گد اہنا کر حاضر کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا: مجھ کو دنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو راستہ چلتے تھوڑی دیر کے لیے کہیں سایہ میں آرام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔ ۹ ہجری میں جب اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی آپ کے گوشہ خانہ کی مالیت یہ تھی جسم مبارک پر ایک تہ بند، ایک کھدری چارپائی، سرہانے ایک تکیہ جس میں خرے کی چھال بھری تھی، ایک طرف تھوڑے سے جو، ایک کونہ میں ایک جانور کی

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور

۳۳

ادارہ ہذا طویل عرصے سے دین حق کی ترویج و اشاعت اور دعوت و تبلیغ میں کوشاں اور سرگرم عمل ہے۔ ملک کا یہ منفرد ادارہ ہے جس کی طرف سے بڑے پیمانے پر دیہی لٹریچر مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ ملک کے طول و عرض میں ہزاروں مقامات پر بہ ذریعہ ڈاک لٹریچر پہنچایا جا رہا ہے۔

تعارف ادارہ

ادارہ ہذا کے تحت علاقے کی معروف درس گاہ جامعہ محمدیہ اہل حدیث قائم ہے جس میں زیر تعلیم طلباء کی مکمل کفالت کی جاتی ہے۔ تعلیمی و اقتصادی اخراجات کے علاوہ وظائف بھی دیے جاتے ہیں۔

جامعہ محمدیہ

ادارہ ہذا کے تحت قائم شعبہ خدمت خلق میں آمدہ عطیات سے غریب لوگوں کی مدد کی جاتی ہے۔ موٹریں، نلکے، پٹکے، پارچاٹ، بستر وغیرہ مستحق لوگوں کو بہم پہنچائے جاتے ہیں۔ مکانات کی تعمیر میں بھی اعانت کی جاتی ہے۔

شعبہ خدمت خلق

ادارہ ہذا کے تحت قرآن فنڈ بھی قائم ہے۔ اس فنڈ میں موصولہ اعانت سے قرآن مجید مترجم، احسن البیان، تفسیر ستاری و دیگر تفاسیر مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ اپنے اور اپنے مرحوم پیاروں کے لیے صدقہ جاریہ میں شامل ہونے کا یہ سنہری موقع ہے۔

قرآن فنڈ

تمام مخیر احباب سے پر زور اپیل ہے کہ زکوٰۃ، عشر، صدقات و عطیات مد سے خصوصی تعاون ارسال فرما کر صدقہ جاریہ کے اس عظیم مشن میں شامل ہوں۔ رمضان المبارک میں خصوصی توجہ کی درخواست ہے۔

تعاون کی خصوصی اپیل

۱: اکاؤنٹ نمبر 03-1107-00166008-00 حبیب بینک جام پور، بنام ادارہ تبلیغ اسلام
۲: اکاؤنٹ نمبر 9-1142-0201000493-00 مسلم کمرشل بینک جام پور، بنام جمعیت اہل حدیث

بہ ذریعہ
بنک

فون نمبر: 0333-8556473

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر

محمد یسین راہی، مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور ضلع راجن پور، پنجاب۔ پاکستان

آج بھی!

فتنے اُسی طرح سے ہیں بیدار آج بھی
 میں دیکھتا ہوں حشر کے آثار آج بھی
 اقرار پر ہے سایۂ انکار آج بھی
 تسبیح میں ہے رشتۂ زناں آج بھی
 سرمایہ خود پسند ہے افلاس خود فروش
 باقی نہیں ہے عظمت کردار آج بھی
 دل میں اُسی طرح سے ہیں تالے پڑے ہوئے
 کھلتے نہیں ہیں ذہن چھ اسرار آج بھی
 انسان ہی کی سعی مسلسل کے باوجود
 انسان ہے بند غم میں گرفتار آج بھی
 اہل ہوس کی سازشیں بروئے کار ہیں
 رسوا ہیں اہل دل سر بازار آج بھی
 کچھ پاس احتیاط ہے کچھ خوف داروگیر
 ہیں بند بند سے لب اظہار آج بھی
 صحن زمیں ہے تنگ غریبوں کے واسطے
 ملتا نہیں ہے سایۂ دیوار آج بھی
 اللہ! یہ تمدن و تہذیب کا فروغ
 انسانیت ہے خستہ و بیمار آج بھی
 زردار کے حضور جبینیں جھکی ہوئیں
 دنیا ہے ظالموں کی طرفدار آج بھی
 مٹ جائے گا جہاں سے وہ ہو فرد یا کہ قوم
 اسلام سے ہے جو کوئی بیزار آج بھی

(ماہر القادری)